Muslims who believe in the Messiah,
Mirza Ghulam Ahmad Qadiani[as]

لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القران الحکیم ۶۵:۱۲

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

مسیح موعودؑ نمبر

by FJ

Pubic Affairs Secretaries of various chapters of Ahmadiyya Muslim Community, USA visiting Members of the United States Congress at the Capitol Hill, Washingto, D.C.

Scenes from 2013 Nation Public Affairs Meeting

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی

النــــور

(2:258)

مارچ 2013

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

فہرس

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ○

(الانفال: 46)

اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ

(البقرۃ: 153)

پس میرا ذکر کیا کرو میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا

{700 احکام خُداوندی صفحہ 67}

نگران: ڈاکٹر احسان اللہ ظفر

امیر جماعت احمدیہ، یو۔ایس۔اے

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر نصیر احمد

مدیر: ڈاکٹر کریم اللہ زیروی

ادارتی مشیر: محمد ظفر اللہ ہنجرا

معاون: حسنیٰ مقبول احمد

لکھنے کا پتہ: karimzirvi@yahoo.com

OR

Editor Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

قرآن کریم

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝

(سورۃالشعراء: 11-14)

اور (یاد کر) جب تیرے ربّ نے موسیٰ کو پکارا تھا اور (کہا تھا) کہ ظالم قوم یعنی فرعون کی قوم کے پاس جا۔ (اور ان سے کہہ کہ) کیا وہ تقویٰ نہیں کرتے؟ اُس نے (جواب میں) کہا اے میرے ربّ میں ڈرتا ہوں کہ وہ میری تکذیب نہ کریں اور میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے اور میری زبان (اچھی طرح) چلتی نہیں پس میرے ساتھ ہارونؑ کو بھی مبعوث کر۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ:

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے تھے کہ آتھم کے مباحثہ میں ہم نے جو نظارہ دیکھا اس سے پہلے تو ہماری عقلیں دنگ ہوگئیں اور پھر ہمارے ایمان آسمان پر پہنچ گئے۔ فرماتے تھے کہ جب عیسائی مباحثہ سے تنگ آ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ ہمارا کوئی داؤ نہیں چلا تو چند مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر انہوں نے ہنسی اڑانے کیلئے یہ شرارت کی کہ کچھ اندھے۔ کچھ بہرے کچھ لُولے اور کچھ لنگڑے بلا لئے اور انہیں مباحثہ سے پہلے ایک طرف چھپا کر بٹھا لیا۔ جب حضرت مسیح موعود تشریف لائے تو جھٹ انہوں نے اُن اندھوں۔ بہروں اور لُولوں لنگڑوں کو نکال کر آپؑ کے سامنے پیش کر دیا اور کہا۔ زبانی باتوں سے جھگڑے طے نہیں ہوتے۔ آپ کہتے ہیں میں مسیح ناصری کا مثیل ہوں اور مسیح ناصری اندھوں کو آنکھیں دیا کرتے تھے۔ بہروں کو کان بخشا کرتے تھے اور لُولوں لنگڑوں کے ہاتھ پاؤں درست کر دیا کرتے تھے۔ ہم نے آپ کو تکلیف سے بچانے کے لئے اس وقت چند اندھے۔ بہرے اور لولے لنگڑے اکٹھے کر دیئے ہیں اگر آپ فی الواقعہ مثیل مسیح ہیں تو ان کو اچھا کر کے دکھا دیجئے۔ حضرت خلیفہ اولؓ فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کے دل اُن کی اس بات کو سُنکر بیٹھ گئے۔ اور گو ہم سمجھتے تھے کہ یہ بات یونہی ہے۔ مگر اس خیال سے گھبرا گئے کہ آج لوگوں کو ہنسی اور ٹھٹھے کا موقع مل جائے گا۔ مگر جب ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ کو دیکھا تو آپ کے چہرہ پر ناپسندیدگی یا گھبراہٹ کے کوئی آثار نہ تھے۔ جب وہ بات ختم کر چکے تو آپؑ نے فرمایا دیکھیئے پادری صاحب! مَیں جس مسیحؑ کے مثیل ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں اسلامی تعلیم کے مطابق وہ اس قسم کے اندھوں۔ بہروں اور لولوں لنگڑوں کو اچھا نہیں کیا کرتا تھا مگر آپ کا عقیدہ ہے کہ مسیح جسمانی اندھوں، جسمانی بہروں۔ جسمانی لولوں اور جسمانی لنگڑوں کو اچھا کیا کرتا تھا۔ اور آپ کی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم میں ایک رائی برابر بھی ایمان ہو اور تم کسی پہاڑ سے کہو کہ یہاں سے وہاں چلا جائے تو وہ چلا جائے گا (متی باب 17 آیت 21 و لوقا باب 17 آیت 6)۔ اور اگر تم بیماروں پر ہاتھ رکھو گے تو وہ اچھے ہو جائیں گے (مرقس بات 16 آیت 18,17)۔ پس یہ سوال مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ مَیں تو وہ معجزے دکھا سکتا ہوں جو میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائے۔ آپ ان معجزوں کا مطالبہ کریں تو مَیں دکھانے کے لئے تیار ہوں۔ باقی رہے اس قسم کے معجزے سو آپ کی کتاب نے بتا دیا ہے کہ ہر وہ عیسائی جس کے اندر ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو ویسے ہی معجزے دکھا سکتا ہے جیسے حضرت مسیح ناصری نے دکھائے۔ سو آپ نے بڑی اچھی بات کی جو ہمیں تکلیف سے بچا لیا۔ اور ان اندھوں۔ بہروں۔ لُولوں اور لنگڑوں کو اکٹھا کر دیا۔ اب یہ اندھے۔ بہرے۔ لولے اور لنگڑے موجود ہیں۔ اگر آپ میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان موجود ہے تو ان کو اچھا کر کے دکھا دیجئے۔ آپ فرماتے تھے کہ اس جواب سے پادریوں کو ایسی حیرت ہوئی کہ بڑے بڑے پادری اِن لُولوں لنگڑوں کو کھینچ کھینچ کر الگ کرنے لگ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کو ہر موقعہ پر عزت بخشتا ہے اور ان کو ایسے ایسے جواب سمجھاتا ہے جن کے نتیجہ میں دشمن بالکل ہکا بکا رہ جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 89.88)

۔۔۔۔ احادیثِ مبارکہ ۔۔۔۔

حضرت ابوہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی یہ دُعا بیان کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ رِزۡقَ آلِ مُحَمَّدٍ فِی الدُّنۡیَا۔

(مسلم کتاب الزکوٰۃ)

اے اللہ! آلِ محمدؐ کو دنیا میں قُوت لایموت (زندہ رہنے کے لئے کم از کم روزی) سے محروم نہ کرنا۔

حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے بعد میں آنے والے خلفاء کے حق میں آپؐ کی یہ دُعا بیان کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارۡحَمۡ خُلَفَائِیَ الَّذِیۡنَ یَاۡتُوۡنَ مِنۡ بَعۡدِیَ الَّذِیۡنَ یَرۡوُوۡنَ اَحَادِیۡثِیۡ وَسُنَّتِیۡ وَیُعَلِّمُوۡنَھَا النَّاسُ۔

(جامع الصغیر از علامہ سیوطی جز اوّل صفحہ 60مطبوعہ بیروت)

اے میرے اللہ! میرے ان خلفاء (جانشینوں) پر رحم فرما جو میرے بعد آئیں گے۔ میری احادیث اور سنت بیان کریں گے اور لوگوں کو اُس کی تعلیم دیں گے۔

حضرت عائشہؓ سے اُمت کے نیک حکام کے حق میں رسول کریم ﷺ کی یہ دُعا روایت ہے:

اَللّٰھُمَّ مَنۡ وَّلِیَ مِنۡ اَمۡرِ اُمَّتِیۡ شَیۡئًا فَشَقَّ عَلَیۡھِمۡ فَاشۡقُقۡ عَلَیۡہِ وَمَنۡ وَّلِیَ مِنۡ اَمۡرِ اُمَّتِیۡ شَیۡئًا فَرَفِقَ بِھِمۡ فَارۡفُقۡ بِہٖ۔

(مسلم کتاب الامارہ)

اے اللہ! جو شخص میری امت کے معاملات کا والی وحاکم ہو اور اُن پر سختی کرے تو تُو بھی اُس پر سختی کرنا اور جو شخص میری اُمت کا حاکم بنے اور اُن سے نرمی کا سلوک کرے تو تُو بھی اُس سے نرمی کا سلوک فرمانا۔

عَنۡ عَبۡدِاللّٰہِ بۡنِ الۡحَارِثِ بۡنِ حَزۡءٍ الزُّبَیۡدِیِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: یَخۡرُجُ نَاسٌ مِّنَ الۡمَشۡرِقِ فَیُوَطِّئُوۡنَ لِلۡمَھۡدِیِّ یَعۡنِیۡ سُلۡطَانَہٗ۔

(ابن ماجہ باب خروج المھدی)

حضرت عبداللہ بن حارثؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مشرق سے کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو مہدی علیہ السلام کی راہ ہموار کریں گے یعنی اس کی ترقی اور اس کے تسلط کے لئے کوشش کریں گے۔

✲✲✲✲✲✲

منظوم کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کہاں تک حرص و شوقِ مالِ فانی! اُٹھو ڈھونڈو متاعِ آسمانی
کہاں تک جوشِ آمال و اَمانی یہ سَو سَو چھید ہیں تم میں نہانی
تو پھر کیونکر ملے وہ یارِ جانی کہاں غِربال میں رہتا ہے پانی
کرو کچھ فکرِ مُلکِ جاودانی یہ ملک و مال جُھوٹی ہے کہانی
بسر کرتے ہو غفلت میں جوانی مگر دل میں یہی تم نے ہے ٹھانی
خُدا کی ایک بھی تم نے نہ مانی ذرا سوچو یہی ہے زندگانی؟
خُدا نے اپنی رہ مجھ کو بتا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

کرو توبہ کہ تا ہو جائے رحمت دکھاؤ جلد تر صدق و اِنابت
کھڑی ہے سر پہ ایسی ایک ساعت کہ یاد آجائے گی جس سے قیامت
مجھے یہ بات مولیٰ نے بتادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

مسلمانوں پہ تب اِدبار آیا کہ جب تعلیمِ قرآں کو بُھلایا
رسولِؐ حق کو مٹّی میں سُلایا مسیحاؑ کو فلک پر ہے بٹھایا
یہ توہیں کر کے پھل ویسا ہی پایا اہانت نے اُنہیں کیا کیا دِکھایا
خُدا نے پھر تمہیں اب ہے بُلایا کہ سوچو عزّتِ خیرالبرایا
ہمیں یہ رہ خُدا نے خود دِکھادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌوَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَایَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُO

(الِ عمران:48)

’’وہ (مسیح علیہ السلام) بن باپ ہوئے اس کا زبردست ثبوت یہ ہے کہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کا قصہ ایک ہی جگہ بیان کیا ہے۔ پہلے یحییٰ کا ذکر کیا جو بانجھ سے پیدا ہوئے۔ دوسرا قصہ مسیح کا اس کے بعد بیان فرمایا۔ جو اس سے ترقی پر ہونا چاہیئے تھا۔ اور وہ یہی ہے کہ وہ بن باپ ہوئے۔ اور یہی امر خارق عادت ہے اگر بانجھ سے پیدا ہونے (والے) یحییٰ کے بعد باپ سے پیدا ہونے والے کا ذکر ہوتا۔ تو اس میں خارق عادت کی کیا بات ہوئی (الحکم جلد 9 نمبر 42 مورخہ 30 نومبر 1905ء صفحہ 21)۔ قرآن شریف سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے اور قرآن شریف پر ہم ایمان لاتے ہیں پھر قانون قدرت میں ہم اس کے برخلاف کوئی دلیل نہیں پاتے۔ کیونکہ سینکڑوں کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں جو نہ باپ رکھتے ہیں اور نہ ماں قرآن شریف میں جہاں اس کا ذکر ہے۔ وہاں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دو عجائب نمونوں کا ذکر کیا ہے۔ اوّل حضرت زکریا کا ذکر ہے کہ ایسی پیرانہ سالی میں جہاں کہ بیوی بھی بانجھ تھی۔ خدا نے بیٹا پیدا کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ دوسرا واقعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ایک اور قدرت عجیبہ کا نمونہ ہے اس کے ماننے میں کونسا ہرج پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے پڑھنے سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح بن باپ ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ نے کمثل آدم جو فرمایا اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس میں ایک عجوبہ قدرت ہے جس کے واسطے آدم کی مثال کا ذکر کرنا پڑا۔ (بدر جلد 6 نمبر 20 مورخہ 16 مئی 1907ء صفحہ 3)

۔۔۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) یہود کے واسطے ایک نشان تھے جو ان کی شامتِ اعمال سے اس رنگ میں پورا ہوا زبور اور دوسری کتابوں میں لکھا گیا تھا کہ اگر تم نے اپنی عادت کو نہ بگاڑا تو نبوت تم میں رہے گی مگر خدا تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ اپنی حالت کو بدل لیں گے اور شرک و بدعت میں گرفتار ہوجائیں گے جب انہوں نے اپنی حالت کو بگاڑا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق یہ تنبیہی نشان ان کو دیا اور مسیح کو بن باپ پیدا کیا۔ اور بن باپ پیدا ہونے کا سرّ یہ تھا۔ کہ چونکہ سلسلہ نسب کا باپ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس طرح گویا سلسلہ منقطع ہوگیا اور اسرائیلی خاندان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی کیونکہ وہ پورے طور سے اسرائیل کے خاندان سے نہ رہے مُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ میں بشارت ہے اس کے دو ہی پہلو ہیں یعنی ایک تو آپ کا وجود ہی بشارت تھا کیونکہ بنی اسرائیل کے خاندان کا خاتمہ ہوگیا دوسرے زبان سے بھی بشارت دی یعنی آپ کی پیدائش بھی بشارت تھی اور زبانی بھی انجیل میں بھی مسیح نے باغ کی تمثیل میں اس امر کو بیان کردیا ہے اور اپنے آپ کو مالک باغ کے بیٹے کی جگہ ٹھہرایا ہے۔ بیٹے کا محاورہ انجیل اور بائبل میں عام ہے اسرائیل کی نسبت آیا ہے کہ اسرائیل فرزند من بلکہ نخست زادۂ من است آ کر اس تمثیل میں بتایا گیا ہے کہ بیٹے کے بعد وہ مالک خود آکر باغبانوں کو ہلاک کردے گا اور باغ دوسروں کے سپرد کردے گا یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ نبوت ان کے خاندان سے جاتی رہی پس مسیح کا بن باپ ہونا اس امر کا نشان تھا۔ (البدر جلد اول نمبر 10 مورخہ 2 جنوری 1903ء صفحہ 75)

(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد دوم صفحات 39,38)

خطبہ جمعہ

جامعہ احمدیہ میں جانے والوں کی تعداد واقفینِ نو میں زیادہ ہونی چاہئے

ہمارے سامنے تو تمام دنیا کا میدان ہے ۔ایشیا،افریقہ ،یورپ ،امریکہ ،آسٹریلیا،جزائر ،ہر جگہ ہم نے پہنچنا ہے۔ ہر جگہ ،ہر براعظم میں نہیں ،ہر ملک میں نہیں،ہر شہر میں نہیں بلکہ ہر قصبہ میں ،ہر گاؤں میں ،دنیا کے ہر فرد تک اسلام کے خوبصورت پیغام کو پہنچاناہے۔ اس کے لئے چند ایک مبلغین کا م کو سرانجام نہیں دے سکتے

اس سال انتخابات ہو رہے ہیں ۔ جماعتوں سے یہ رپورٹیں آنی چاہئیں کہ کون کون سیکرٹریانِ وقفِ نَوفعّال نہیں ہیں ۔اور اگر وہ فعّال نہیں ہیں تو چاہے ان کے ووٹ زیادہ ہوں ان کو اس دفعہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔

ہر ملک کی انتظامیہ ایک کمیٹی بنائے جو جائزہ لے کہ ان ملکوں کی اپنی ضروریات آئندہ دس سال کی کیا ہیں؟

وقفِ نَو کا ایک نصاب بنا ہوا ہے۔اگر جماعت کا بھی ایک نصاب بنا ہوا ہے تو جب سیکرٹری تربیت اور سیکرٹری تعلیم اور سیکرٹری وقفِ نَو جماعتی نظام کے تحت ہی کام کر رہے ہیں تو امراء اور صدران کا کام ہے کہ ان کو اکٹھا کر کے ایسا معین لائحہ عمل بنائیں کہ یہ نصاب بہرحال پڑھا جائے۔خاص طور پر واقفینِ نَو کو اس میں ضرور شامل کیا جائے۔

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 18 ؍جنوری 2013ء مسجد بیت الفتوح۔لندن

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ

أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ أَنتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمِ(آل عمران:36)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى. قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْشَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ(الصفت:103)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔(آل عمران:103)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ(التوبہ:122)

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ:

جب عمران کی ایک عورت نے کہا اے میرے ربّ ! جو کچھ بھی میرے پیٹ میں ہے یقیناً وہ میں نے تیری نذر کر دیا دنیا کے جھمیلوں سے آزاد کرتے ہوئے۔پس تُو مجھ سے قبول کر لے۔ یقیناً تُو ہی بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

پس جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا۔اس نے کہا اے میرے پیارے بیٹے !یقیناً میں سوتے میں دیکھا کرتا ہوں کہ مَیں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔پس غور کر تیری کیا رائے ہے؟اس نے کہا اے میرے باپ !وہی کر جو تجھے حکم دیا جاتا ہے۔یقیناً اگر اللہ چاہے گا تُو مجھے تو صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔

اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو۔ وہ بھلائی کی طرف بلاتے رہیں اور نیکی کی تعلیم دیں اور بدیوں سے روکیں۔ اور یہی ہیں وہ جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

مومنوں کے لئے ممکن نہیں کہ وہ تمام کے تمام اکٹھے نکل کھڑے ہوں۔ پس ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان کے ہر فرقہ میں سے ایک گروہ نکل کھڑا ہوتا کہ وہ دین کا فہم حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو خبردار کریں جب وہ ان کی طرف واپس لوٹیں تاکہ شاید وہ ہلاکت سے بچ جائیں۔

یہ آیات سورۃ آل عمران، سورۃ توبہ اور سورۃ الصافات کی آیات ہیں۔ ان آیات میں ماں کی خواہش، ماں باپ کی بچوں کی صحیح تربیت، بچوں کے احساسِ قربانی کو اجاگر کرنا اور اس کے لئے تیار کرنا، وقفِ زندگی کی اہمیت اور کام اور پھر یہ کہ یہ سب کچھ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ بیان کیا گیا ہے۔

پہلی آیت جو سورۃ آل عمران کی ہے، یہ چھتیسویں آیت ہے۔ اس میں ایک ماں کا بچے کو دین کی خاطر وقف کرنے کی خواہش کا اظہار ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو قبول کر لے۔

پھر سورۃ الصافات کی آیت 103 ہے جو اس کے بعد مَیں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی خاطر قربانی کے لئے تیار کرنے کی خاطر باپ کا بیٹے کی تربیت کرنا اور بیٹے کا خدا تعالیٰ کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہونے کا ذکر ہے۔ باپ کی تربیت نے بیٹے کو خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جوڑ دیا اور بیٹے نے کہا کہ اے باپ! تُو ہر قسم کی قربانی کرنے میں مجھے ہمیشہ تیار پائے گا اور نہ صرف تیار پائے گا بلکہ صبر و استقامت کے اعلیٰ نمونے قائم کرنے والا پائے گا۔

پھر سورۃ آلِ عمران کی آیت 105 مَیں نے تلاوت کی جس میں نیکیوں کے پھیلانے اور پھیلاتے چلے جانے والے اور بدیوں سے روکنے والے گروہ کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بن کر ایک انسان کو کامیاب کرتی ہیں۔

پھر سورۃ توبہ کی 122 ویں آیت ہے جو مَیں نے آخر میں تلاوت کی ہے۔ اس میں فرمایا کہ نیکی بدی کی پہچان کے لئے دین کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور دین کا فہم کیا ہے؟ یہ شریعتِ اسلامی ہے یا قرآنِ کریم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:4)۔ اور تمہارے لئے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی پسند حاصل کرنے کے لئے قرآنِ کریم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ بیان فرمایا کہ تا کہ تم دنیا کو ہلاکت سے بچانے والے بن سکو۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کا حق ادا کرنے کے لئے اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے جماعت احمدیہ کا قیام فرمایا۔ یہی وہ جماعت ہے جس میں بچے کی پیدائش سے پہلے ماؤں کی دعائیں بھی ہمیں صرف اس جذبے کے ساتھ نظر آتی ہیں، اس جذبے کو لئے ہوئے نظر آتی ہیں کہ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ (آل عمران:36)۔ اے میرے رب! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، تیری نذر کرتی ہوں۔ آزاد کرتے ہوئے (یعنی دنیا کے جھمیلوں سے آزاد کرتے ہوئے) پس تُو اسے قبول فرما۔ آج آپ نظر دوڑا کر دیکھ لیں، سوائے جماعت احمدیہ کی ماؤں کے کوئی اس جذبے سے بچے کی پیدائش سے پہلے اپنے بچوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے پیش کرنے کی دعا نہیں کرتے۔ کوئی ماں آج احمدی ماں کے علاوہ ہمیں نہیں ملے گی جو یہ جذبہ رکھتی ہو، چاہے وہ ماں پاکستان کی رہنے والی ہے، یا ہندوستان کی ہے، یا ایشیا کے کسی ملک کی رہنے والی ہے یا افریقہ کی ہے، یورپ کی رہنے والی ہے یا امریکہ کی ہے۔ آسٹریلیا کی رہنے والی ہے یا جزائر کی ہے۔ جو اس ایک اہم مقصد کے لئے اپنے بچوں کو خلیفۂ وقت کو پیش کر کے پھر خدا تعالیٰ سے یہ دعا نہ کر رہی ہو کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمارا یہ وقف قبول فرما لے۔ یہ دعا کرنے والی تمام دنیا میں صرف اور صرف احمدی عورت نظر آتی ہے۔ اُن کو یہ فکر ہوتی ہے کہ خلیفۂ وقت کہیں ہماری درخواست کا انکار نہ کر دے اور یہ صورت کہیں اور پیدا ہو بھی نہیں سکتی۔ یہ جذبہ کہیں اور پیدا ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ خلافت کے سائے تلے رہنے والی یہی ایک جماعت ہے جس کو خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق کے ذریعہ سے قائم فرمایا ہے اور پھر اس پر بس نہیں، جماعت احمدیہ میں ہی وہ باپ بھی ہیں جو اپنے بچوں کی اس نہج پر تربیت کرتے ہیں کہ بچہ جوانی میں قدم رکھ کر ہر قربانی کے لئے تیار ہوتا ہے اور خلیفۂ وقت کو لکھتا ہے کہ پہلا عہد میرے ماں باپ کا تھا، دوسرا عہد اب میرا ہے۔ آپ جہاں چاہیں مجھے قربانی کے لئے بھیج

دیں۔ آپ مجھے ہمیشہ صبر کرنے والوں اور استقامت دکھانے والوں میں پائیں گے اور اپنے ماں باپ کے عہد سے پیچھے نہ ہٹنے والوں میں پائیں گے۔ یہ وہ بچے ہیں جو اُمّتِ محمدیہ کے باوفا فرد کہلانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں ہونے کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ ماں باپ کی تربیت اور بچے کی نیک فطرت نے اُنہیں حقوق اللہ کی ادائیگی کے بھی رموز سکھائے ہیں اور حقوق العباد کی ادائیگی کے بھی معیار سکھائے ہیں۔ جنہیں دین کا فہم حاصل کرنے کا بھی شوق پیدا ہوا ہے اور اُسے اپنی زندگی پر لاگو کرنے کی طرف توجہ بھی پیدا ہوئی ہے اور پھر اس کے ساتھ تبلیغِ اسلام اور خدمتِ انسانیت کے لئے ایک جوش اور جذبہ بھی پیدا ہوا۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ زندہ قومیں اور ترقی کرنے والی جماعتیں ان احساسات، ان خیالات، ان جذبوں اور ان عہد پورا کرنے کی پابندیوں کو کبھی مرنے نہیں دیتیں۔ ان جذبوں کو تروتازہ رکھنے کے لئے ہمیشہ ان باتوں کی جگالی کرتی رہتی ہیں۔ اگر کہیں سستیاں پیدا ہو رہی ہوں تو اُن کو دور کرنے کے لئے لائحہ عمل بھی ترتیب دیتی ہیں۔ اور خلافت کے منصب کا تو کام ہی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم ''ذَكِّرْ'' پر عمل کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً یاددہانی کرواتا رہے تاکہ جماعت کی ترقی کی رفتار میں کبھی کمی نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ایک کے بعد دوسرا گروہ تیار ہوتا چلا جائے۔ جس طرح مسلسل چلنے والی نہریں، زمین کی ہریالی کا باعث بنتی ہیں اسی طرح ایک کے بعد دوسرا دین کی خدمت کرنے والا گروہ روحانی ہریالی کا باعث بنتا ہے۔ جن علاقوں میں کھیتوں میں ٹیوب ویلوں یا نہروں کے ذریعوں سے کاشت کی جاتی ہے وہاں کے زمیندار جانتے ہیں کہ اگر ایک کھیت پر پانی مکمل لگنے سے پہلے پانی کا بہاؤ ٹوٹ جائے، پیچھے سے بند ہو جائے تو پھر نئے سرے سے پورے کھیت کو پانی لگانا پڑتا ہے اور پھر وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور پانی بھی۔ اسی طرح اگر اصلاح اور ارشاد کے کام کے لئے مسلسل کوشش نہ ہو، یا کوشش کرنے والے مہیا نہ ہوں تو پھر ٹوٹ ٹوٹ کر جو پانی پہنچتا ہے، جو پیغام پہنچتا ہے، جو کوشش ہوتی ہے وہ سیرابی میں دیر کر دیتی ہے۔ تربیتی اور تبلیغی کاموں میں روکیں پیدا ہوتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر قوم میں سے ایسے گروہ ہر وقت تیار رہنے چاہئیں جو خدا تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کے بہاؤ کو کبھی ٹوٹنے نہ دیں۔ پس اس لئے مَیں آج پھر اس بات کی یاددہانی کروا رہا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے وقفِ نَو کی جو سکیم شروع فرمائی تھی تو اس امید پر اور اس دعا کے ساتھ کہ دین کی خدمت کرنے والوں کا گروہ ہر وقت مہیا ہوتا رہے گا۔ یہ پانی کا بہاؤ کبھی ٹوٹے گا نہیں۔ جماعت کے لٹریچر کا ترجمہ کرنے والے بھی جماعت کو مہیا ہوتے رہیں گے، تبلیغ اور تربیت کا کام چلانے والے بھی بڑی تعداد میں مہیا ہوتے رہیں گے اور نظامِ جماعت کے چلانے کے دوسرے شعبوں کو بھی واقفین کے گروہ مہیا ہوتے رہیں گے۔

پس اس بات کو ہمیں ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ ماں باپ کو اپنے بچوں کو پیش کرنے کے بعد اپنے فرض سے فارغ نہیں ہو جانا چاہئے۔ بیشک بچوں کو واقفینِ نَو میں پیش کرنے کا جذبہ قابلِ تعریف ہے۔ ہر سال ہزاروں بچوں کو واقفینِ نَو میں پیش کرنے کی درخواستیں آتی ہیں لیکن ان درخواستوں کے پیش کرنے کے بعد ماں اور باپ دونوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ ان بچوں کو اس خاص مقصد کے لئے تیار کرنا جو دنیا کو ہلاکت سے بچانے کا مقصد ہے، اس کی تیاری کے لئے سب سے پہلے ماں باپ کو کوشش کرنی ہوگی۔ اپنا وقت دے کر، اپنے نمونے قائم کر کے بچوں کو سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے جوڑنا ہوگا۔ بچوں کو نظامِ جماعت کی اہمیت اور اس کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہونے کے لئے بچپن سے ہی ایسی تربیت کرنی ہوگی کہ اُن کی کوئی اَور دوسری سوچ ہی نہ ہو۔ ہوش کی عمر میں آ کر جب بچے واقفینِ نَو اور جماعتی پروگراموں میں حصہ لیں تو اُن کے دماغوں میں یہ راسخ ہو کہ انہوں نے صرف اور صرف دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بچوں کے دماغ میں ڈالیں کہ تمہاری زندگی کا مقصد دین کی تعلیم حاصل کرنا ہے۔ یہ جو واقفینِ نَو بچے ہیں ان کے دماغوں میں یہ ڈالنے کی ضرورت ہے کہ دین کی تعلیم کے لئے جو جماعتی دینی ادارے ہیں اُس میں جانا ضروری ہے۔ جامعہ احمدیہ میں جانے والوں کی تعداد واقفینِ نَو میں کافی زیادہ ہونی چاہئے۔ لیکن جو اعداد و شمار میرے سامنے ہیں، اُن کے مطابق سوائے پاکستان کے تمام ملکوں میں یہ تعداد بہت تھوڑی ہے۔ پاکستان میں تو اللہ کے فضل سے اس وقت ایک ہزار تینتیس واقفینِ نَو جامعہ احمدیہ میں پڑھ رہے ہیں۔ اور انڈیا میں جو تعداد سامنے آئی ہے وہ 93 ہے۔ یہ میرا خیال ہے کہ شاید اس میں شعبہ وقفِ نَو کو غلطی لگی ہو۔ اس سے تو زیادہ ہونے چاہئیں۔ بہرحال اگر اس میں غلطی ہے تو انڈیا کا جو شعبہ ہے وہ

اطلاع دے کہ اس وقت جامعہ احمدیہ میں اُن کے واقفینِ نَو میں سے کتنے طلباء پڑھ رہے ہیں۔ جرمنی میں 70 ہیں۔ یہ رپورٹ پچھلے جون تک ہے۔ اب وہاں 80 سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ یہ صرف جرمنی کے نہیں، اس میں یورپ کے مختلف ممالک کے بچے بھی شامل ہیں۔ کینیڈا کے جامعہ احمدیہ میں 55 ہیں۔ اب اس میں کچھ تھوڑی سی تعداد شاید بڑھ گئی ہو۔ اس میں امریکہ کے بھی شامل ہیں۔ یوکے کے جامعہ میں گزشتہ رپورٹ میں 120 تھے۔ شاید اس میں دس پندرہ کی کچھ تعداد بڑھ گئی ہو۔ یہاں بھی یورپ کے دوسرے ممالک سے بچے آتے ہیں۔ گھانا میں 12 ہے، یہ شاید وہاں جو نیا جامعہ شاہد کروانے کے لئے شروع ہوا ہے، اُس کی تعداد انہوں نے دی ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں 23 ہیں۔ اور یہ کُل تعداد جواب تک دفتر کے شعبہ کے علم میں ہے، وہ 1400 ہے۔ جبکہ واقفینِ نَو لڑکوں کی تعداد تقریباً اٹھائیس ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے۔ ہمارے سامنے تو تمام دنیا کا میدان ہے۔ ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، جزائر، ہر جگہ ہم نے پہنچنا ہے۔ ہر جگہ ہر براعظم میں نہیں، ہر ملک میں نہیں، ہر شہر میں نہیں بلکہ ہر قصبہ میں، ہر گاؤں میں، دنیا کے ہر فرد تک اسلام کے خوبصورت پیغام کو پہنچانا ہے۔ اس کے لئے چند ایک مبلغین کام کو انجام نہیں دے سکتے۔

بچوں میں وقفِ نَو ہونے کی جو خوشی ہوتی ہے بچپن میں تو اُس کا اظہار بہت ہو رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس یورپی معاشرے میں ماں باپ کی صحیح توجہ نہ ہونے کی وجہ سے، دنیاوی تعلیم سے متاثر ہو جانے کی وجہ سے یا اپنے دوستوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کی وجہ سے جامعہ کے بجائے دوسرے مضامین پڑھنے کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ بعض بچپن میں تو کہتے ہیں جامعہ میں جانا ہے۔ لیکن جی سی ایس سی (GCSC) پاس کرتے ہیں، سیکنڈری سکولز پاس کرتے ہیں تو پھر ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ بعض بچے بیشک ایسے ہوتے ہیں جو خاص ذہن رکھتے ہیں۔ اُن کے رجحانات کا بچپن سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ اُن کو بعض مضامین میں غیر معمولی دلچسپی ہوتی ہے۔ مثلاً سائنس کے بعض مضامین ہیں اور اس میں ان کا دماغ بھی خوب چلتا ہے۔ اُن کو یقیناً اُس مضمون کو لینے اور ان مضامین کو پڑھنے کی طرف encourage کرنا چاہئے۔ لیکن اکثریت صرف بھیڑ چال کی وجہ سے سیکنڈری سکولز کرنے کے بعد اپنے مضامین کا انتخاب کرتے ہیں۔ اکثر بچے جب مجھے ملتے ہیں، مَیں اُن سے پوچھتا ہوں تو دسویں، (یہاں یہ Year ten کہلاتا ہے۔ امریکہ، کینیڈا وغیرہ میں، آسٹریلیا وغیرہ میں گریڈ کہلاتا ہے) اور جی سی ایس سی (GCSC) تک اُن کے ذہن میں کچھ نہیں ہوتا۔ ذہن بنا نہیں ہوتا کہ ہم نے کونسے مضامین لینے ہیں۔ پس اگر ماں باپ کی تربیت شروع میں ایسی ہو کہ بچے کے ذہن میں بیٹھ جائے کہ مَیں وقفِ نَو ہوں اور جو کچھ میرا ہے وہ جماعت کا ہے تو پھر صحیح وقف کی روح کے ساتھ یہ بچے کام کر سکیں گے۔ اور مضامین کے چناؤ کے لئے بھی اُن میں مرکز سے، جماعت سے رہنمائی لینے کی طرف توجہ پیدا ہوگی۔ جیسا کہ مَیں نے کہا کہ اس وقت صرف جماعت احمدیہ میں ایسے ماں باپ ہیں جو ایک جذبے سے اپنے بچے وقف کرتے ہیں اور پھر ان کی تربیت بھی ایک جذبے اور درد سے کرتے ہیں کہ بچے جماعت کی خدمت کرنے والے اور وقف کی روح کو قائم کرنے والے ہوں۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اکثریت جو اپنے بچوں کو وقفِ نَو میں بھیجتی ہے، وہ پھر اُن کی تربیت کی طرف بھی اس طرح خاص توجہ دیتی ہے۔

پس ماں باپ کو، اُن ماں باپ کو جو اپنے بچوں کو وقفِ نَو میں بھیجتے ہیں، یہ جائزے لینے ہوں گے کہ وہ اس تحفے کو جماعت کو دینے میں اپنا حق کس حد تک ادا کر رہے ہیں؟ کس حد تک اس تحفے کو سجانے کی کوشش کر رہے ہیں؟ کس حد تک خوبصورت بنا کر جماعت کو پیش کرنے کی طرف توجہ دے رہے ہیں؟ وہ اپنے فرائض کس حد تک پورے کر رہے ہیں؟ ان ملکوں میں رہتے ہوئے، جہاں ہر طرح کی آزادی ہے خاص طور پر بہت توجہ اور نگرانی کی ضرورت ہے۔

اسی طرح ایشیا اور افریقہ کے غریب ملکوں میں بھی بچے کو وقف کر کے بے پرواہ نہ ہو جائیں بلکہ ماں اور باپ دونوں کا فرض ہے کہ خاص کوشش کریں۔ واقفینِ نَو بچوں کو بھی مَیں کہتا ہوں جو بارہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ چکے ہیں کہ وہ اپنے بارے میں سوچنا شروع کر دیں، اپنی اہمیت پر غور کریں۔ صرف اس بات پر خوش نہ ہو جائیں کہ آپ وقفِ نَو ہیں۔ اہمیت کا پتہ تب لگے گا جب اپنے مقصد کا پتہ لگے گا کہ کیا آپ نے حاصل کرنا ہے۔ اُس کی طرف توجہ پیدا ہوگی۔ اور پندرہ سال کی عمر والے لڑکوں اور لڑکیوں کو تو اپنی اہمیت اور اپنی ذمہ داریوں کا بہت زیادہ احساس ہو جانا چاہئے۔ ان آیات میں صرف ماں باپ یا نظامِ جماعت کی خواہش یا ایک گروہ یا چند لوگوں کی خواہش اور ذمہ داری کا بیان نہیں ہوا بلکہ بچوں کو بھی توجہ دلائی گئی ہے۔

پہلی بات جو ہر وقفِ نَو بچے میں پیدا ہونی چاہئے، وہ اس توجہ کی روشنی میں یہ بیان کر رہا ہوں۔ اور وہ ان آیات میں آئی ہے کہ اُس کی ماں نے اُس کی پیدائش سے پہلے ایک بہت بڑے مقصد کے لئے اُسے پیش کرنے کی خواہش دل میں پیدا کی۔ پھر اس خواہش کے پورا ہونے کی بڑی عاجزی سے دعا بھی کی۔ پس بچے کو اپنے ماں باپ کی، کیونکہ اس خواہش اور دعا میں بعد میں باپ بھی شامل ہو جاتا ہے، اُن کی خواہش اور دعا کا احترام کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نذر ہونے کا حق دار بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور یہ تبھی ہوسکتا ہے جب اپنے دل و دماغ کو اپنے قول و فعل کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بنانے کی طرف توجہ ہو۔

دوسری بات یہ کہ ماں باپ کا آپ پر یہ بڑا احسان ہے اور یہ احسان کرنے کی وجہ سے اُن کے لئے یہ دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے۔ آپ کی تربیت کے لئے اُن کی طرف سے اُٹھنے والے ہر قدم کی آپ کے دل میں اہمیت ہو۔ اور یہ احساس ہو کہ میرے ماں باپ اپنے عہد کو پورا کرنے کے لئے جو کوشش کر رہے ہیں مَیں نے بھی اُس کا حصہ بننا ہے، اُن کی تربیت کو خوشدلی سے قبول کرنا ہے۔ اور اپنے ماں باپ کے عہد پر کبھی آنچ نہیں آنے دینی۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے عہد کا سب سے زیادہ حق ایک واقفِ نَو کا ہے۔ اور واقفِ نَو کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ یہ عہد سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر مَیں نے پورا کرنا ہے۔

تیسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہر قربانی کے لئے صبر اور استقامت دکھانے کا عہد کرنا ہے۔ جیسے بھی کڑے حالات ہوں، سخت حالات ہوں، میں نے اپنے وقف کے عہد کو ہر صورت میں نبھانا ہے، کوئی دنیاوی لالچ کبھی میرے عہدِ وقف میں لغزش پیدا کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ اب تو اللہ تعالیٰ کا جماعت پر بہت فضل اور احسان ہے۔ خلافتِ ثانیہ کے دور میں تو بعض موقعوں پر، بعض سالوں میں قادیان میں ایسے حالات بھی آئے، اتنی مالی تنگی تھی کہ جماعتی کارکنان کو کئی کئی مہینے اُن کا جو بنیادی گزارہ الاؤنس مقرر تھا، وہ بھی پورا نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اسی طرح شروع میں ہجرت کے بعد ربوہ میں بھی ایسے حالات رہے ہیں لیکن ان سب حالات کے باوجود کبھی اُس زمانے کے واقفینِ زندگی نے شکوہ زبان پر لاتے ہوئے اپنے کام کا حرج نہیں ہونے دیا۔ بلکہ یہ تو دُور کی باتیں ہیں۔ ستّر اور اسّی کی دہائی میں افریقہ کے بعض ممالک میں بھی ایسے حالات رہے جو مشکل سے وہاں گزارہ ہوتا تھا۔ جو الاؤنس جماعت کی طرف سے ملتا تھا، وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس دن میں ختم ہو جاتا تھا۔ مقامی واقفین تو جتنا الاؤنس اُن کو ملتا تھا اس میں شاید دن میں ایک وقت کھانا کھا سکتے ہوں۔ لیکن انہوں نے اپنے عہدِ وقف کو ہمیشہ نبھایا اور تبلیغ کے کام میں کبھی حرج نہیں آنے دیا۔

چوتھی بات یہ کہ اپنے آپ کو اُن لوگوں میں شامل کرنے کے احساس کو ابھارنا اور اس کے لئے کوشش کرنا جو نیکیوں کے پھیلانے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہیں۔ اپنے اخلاق کے اعلیٰ نمونے قائم کرنا، جب ایسے اخلاق کے اعلیٰ نمونے قائم ہوں گے، نیکیاں سرزد ہو رہی ہوں گی، برائیوں سے اپنے آپ کو بچا رہے ہوں گے تو ایسے نمونے کی طرف لوگوں کی توجہ خود بخود پیدا ہوتی ہے۔ لوگوں کی آپ پر نظر پڑے گی تو پھر مزید اس کا موقع بھی ملے گا۔ پس یہ احساس اپنے اندر پیدا کرنا بہت ضروری ہے اور کوشش بھی ساتھ ہو۔

پانچویں بات یہ کہ نیکیوں اور برائیوں کی پہچان کے لئے قرآن اور حدیث کا فہم و ادراک حاصل کرنا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب اور ارشادات کو پڑھنا۔ اپنے دینی علم کو بڑھانے کے لئے ہر وقت کوشش کرنا۔ بیشک ایک بچہ جو جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرتا ہے وہاں اُسے دینی علم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن وہاں سے پاس کرنے کے بعد یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اب میرے علم کی انتہا ہوگئی۔ بلکہ علم کو ہمیشہ بڑھاتے رہنے کی کوشش کرنی چاہئے، ایک دفعہ کا جو تفقّہ فی الدین ہے اُس وقت فائدہ رساں رہتا ہے جب تک اُس میں ساتھ ساتھ تازہ علم شامل ہوتا رہے۔ تازہ پانی اُس میں ملتا رہے۔ اسی طرح جو جامعہ میں نہیں پڑھ رہے، اُن کو بھی مسلسل پڑھنے کی طرف توجہ ہونی چاہئے۔ یہ نہیں کہ جو واقفینِ نَو دنیاوی تعلیم حاصل کر رہے ہوں اُن کو دینی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنا لٹریچر میسر ہے، اُن کو پڑھنے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ قرآنِ کریم کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنے کی طرف توجہ ہونی چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو جو کتب اُن کی زبانوں میں ہیں اُن کو پڑھنے کی طرف توجہ ہونی چاہئے۔

چھٹی بات جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جس کی طرف ایک واقفِ نَو کو توجہ دینی چاہئے وہ عملی طور پر تبلیغ کے میدان میں کودنا ہے۔ اب بعض

واقفاتِ نَو کو یہ شکوہ ہوتا ہے کہ ہمارے لئے جامعہ نہیں ہے۔ یعنی ہم دینی علم حاصل نہیں کرسکتیں۔ اگر اپنے طور پر، جس طرح مَیں نے پہلے بتایا، پڑھیں تو اپنے حلقے میں جو بھی اُن کا دائرہ ہے اُس میں تبلیغ کی طرف توجہ پیدا ہوگی، موقع ملے گا۔ اُس کے لئے جب تبلیغ کی طرف توجہ پیدا ہوگی اور موقعے ملیں گے تو پھر مزید تیاری کی طرف توجہ ہوگی اور اس طرح دینی علم بڑھانے کی طرف خود بخود توجہ پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

پس تبلیغ کا میدان ہر ایک کے لئے کھلا ہے اور اس میں ہر وقفِ نَو کو کودنے کی ضرورت ہے اور بڑھ چڑھ کر ہر وقفِ نَو کو حصہ لینا چاہئے اور یہ سوچ کر حصہ لینا چاہئے کہ میں نے اُس وقت تک چَین سے نہیں بیٹھنا جب تک دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے نہیں آ جاتی اور یہ احساس اور جوش ہی ہے جو دینی علم بڑھانے کی طرف بھی متوجہ رکھے گا اور تبلیغ کی طرف بھی توجہ رہے گی۔

ساتویں بات ہر واقفِ زندگی کو، واقفِ نَو کو خاص طور پر ذہن میں رکھنی چاہئے کہ وہ اُس گروہ میں شامل ہے جنہوں نے دنیا کو ہلاکت سے بچانا ہے۔ اگر آپ کے پاس علم ہے اور آپ کو موقع بھی مل رہا ہے لیکن اگر دنیا کو ہلاکت سے بچانے کا سچا جذبہ نہیں ہے، انسانیت کو تباہی سے بچانے کا درد دل میں نہیں ہے تو ایک تڑپ کے ساتھ جو کوشش ہوسکتی ہے، وہ نہیں ہوگی اور برکت بھی ہوسکتا ہے اُس میں اُس طرح نہ پڑے۔ پس اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کے لئے ہر درد مند دل کو اپنی کوششوں کے ساتھ دعاؤں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اور یہ درد سے نکلی ہوئی دعائیں ہیں جو ہمیں اپنے مقصد میں انشاء اللہ کامیاب کریں گی۔ اس لئے ہر ایک کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری دعاؤں کا دائرہ صرف اپنے تک محدود نہ ہو، بلکہ اس کے دھارے ہمیں ہر طرف بہتے ہوئے دکھائی دیں تاکہ کوئی انسان بھی اُس فیض سے محروم نہ رہے جو خدا تعالیٰ نے آج ہمیں عطا فرمایا ہے۔ ویسے بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے مقاصد کا حصول بغیر دعاؤں کے، ایسی دعاؤں جو سچے جذبے اور ہمدردی سے پُر ہوں کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

پس یہ باتیں اور یہ سوچ ہے جو ایک حقیقی واقفِ نَو اور وقفِ زندگی کی ہونی چاہئے۔ اس کے بغیر کامیابی کی امید خوش فہمی ہے۔ ان باتوں کے بغیر صرف واقفِ نَو اور واقفِ زندگی کا ٹائٹل ہے جو ایسے واقفینِ نَو نے اپنے ساتھ لگایا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کچھ حیثیت نہیں۔ اور صرف ٹائٹل لینا تو ہمارا مقصد نہیں، نہ اُن ماں باپ کا مقصد تھا جنہوں نے اپنے بچوں کو اس قربانی کے لئے پیش کیا۔ پس جیسا کہ مَیں بیان کر آیا ہوں ماں باپ کے لئے بھی اور واقفینِ نَو کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اپنی ذمہ داری نبھائیں۔ مَیں دوبارہ اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں دین کے پھیلانے کے لئے دینی علم کی ضرورت ہے اور یہ علم سب سے زیادہ ایسے ادارہ سے ہی مل سکتا ہے جس کا مقصد ہی دینی علم سکھانا ہو۔ اور یہ ادارہ جماعت احمدیہ میں جامعہ احمدیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ جامعات صرف پاکستان یا قادیان میں نہیں ہیں، یہیں تک محدود نہیں بلکہ یوکے میں بھی ہے۔ جو مَیں نے کوائف پیش کئے ہیں اُن سے پتہ لگتا ہے کہ جرمنی میں بھی ہے، انڈونیشیا میں بھی ہے، کینیڈا میں بھی ہے، اور گھانا میں بھی ہے جیسا کہ مَیں نے کہا وہاں شاہد کروانے کے لئے نیا جامعہ کھلا ہے۔ پہلے وہاں جامعہ تو تھا لیکن تین سالہ کورس میں صرف معلمین تیار ہوتے تھے۔ تو یہ جامعہ احمدیہ جو گھانا میں کھلا ہے، یہ فی الحال تمام افریقہ کی جماعت کے لئے شاہد مبلغ تیار کرے گا۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں بھی جامعہ احمدیہ ہے۔ تبلیغ کا کام بہت وسیع کام ہے۔ اور یہ باقاعدہ تربیت یافتہ مبلغین سے ہی زیادہ بہتر طور پر ہوسکتا ہے۔ اس لئے واقفینِ نَو کو زیادہ سے زیادہ یا واقفینِ نَو کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو جامعہ احمدیہ میں آنا چاہئے۔ جبکہ جو اعداد و شمار مَیں نے بتائے ہیں، اس سے تو ہم ہر ملک کے ہر علاقے میں جیسا کہ میں نے کہا مستقبل قریب کیا بلکہ دور میں بھی ہر جگہ مبلغ نہیں بٹھا سکتے۔ اور جب تک کل وقتی معلمین اور مبلغین نہیں ہوں گے انقلابی تبدیلی اور انقلابی تبلیغی پروگرام بہت مشکل ہے۔

اس وقت دنیا بھر سے شعبہ کے پاس جو رپورٹ آئی ہے یہ شاید ان کے پاس جولائی 2012ء تک کی رپورٹ ہے۔ اس کے مطابق پندرہ سال کے اوپر کے واقفینِ نَو اور واقفاتِ نَو کی تعداد پچیس ہزار ہے جس میں سے لڑکے 16,988 ہیں اور ان میں پاکستان کے واقفینِ نَو 10,687 ہیں۔ پاکستان کے بعد جرمنی میں سب سے زیادہ واقفینِ نَو ہیں۔ 1877 لڑکے اور 1155 لڑکیاں۔ پھر انگلستان ہے۔ 918 لڑکے اور ان کی کُل تعداد 1758 ہے۔ باقی 800 کچھ لڑکیاں ہیں۔ لیکن جامعہ احمدیہ میں آنے والوں کی تعداد

جرمنی میں بھی اور یوکے میں بھی بہت کم ہے۔ ان دونوں جامعات میں یورپ کے دوسرے ملکوں سے بھی طالب علم آتے ہیں، اس طرح تو یہ تعداد اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امریکہ اور کینیڈا کے جامعات میں تعداد کم ہے۔

جماعتیں مبلغین اور مربیان کا مطالبہ کرتی ہیں تو پھر واقفینِ نَو کو جامعہ میں پڑھنے کے لئے تیار بھی کریں۔ کینیڈا اور امریکہ میں اس وقت پندرہ سال سے اوپر تقریباً آٹھ سو واقفینِ نَو ہیں۔ اگر ان کو تیار کیا جائے تو اگلے دو سال میں جامعات میں داخل ہونے والوں کی تعداد خاصی بڑھائی جاسکتی ہے۔ صرف مربی مبلغ کے لئے نہیں بلکہ جامعہ میں پڑھ کے، دینی علم حاصل کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے مختلف زبانوں میں تراجم کے لئے بھی تیار کئے جا سکتے ہیں۔ ان کو جامعہ میں پڑھانے کے بعد مختلف زبانوں میں سپیشلائز بھی کرایا جاسکتا ہے۔ پھر جو جامعہ میں نہیں آ رہے، وہ بھی زبانیں سیکھنے کی طرف توجہ کریں اور زبانیں سیکھنے والے کم از کم جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے بھی فرمایا تھا اور یہ ضروری ہے کہ تین زبانیں اُن کو آنی چاہئیں۔ ایک تو اُن کی اپنی زبان ہو، دوسرے اردو ہو، تیسرے عربی ہو۔ عربی تو سیکھنی ہی ہے، قرآنِ کریم کی تفسیروں اور بہت سارے میسر لٹریچر کو سمجھنے کے لئے۔ اور پھر قرآن کریم کا ترجمہ کرتے ہوئے جب تک عربی نہ آتی ہو صحیح ترجمہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور اردو پڑھنا سیکھنا اس لئے ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب سے ہی اس وقت دین کا صحیح فہم حاصل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ آپ کی تفسیریں، آپ کی کتب، آپ کی تحریرات ہی ایک سرمایہ ہیں اور ایک خزانہ ہیں جو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرسکتی ہیں، جو صحیح اسلامی تعلیم دنیا کو بتاسکتی ہیں، جو حقیقی قرآنِ کریم کی تفسیر دنیا کو بتاسکتی ہیں۔

پس اردو زبان سیکھے بغیر بھی صحیح طرح زبانوں میں مہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایک وقت تھا کہ جماعت میں ترجمے کے لئے بہت دِقّت تھی، دِقّت تو اب بھی ہے لیکن یہ دِقّت اب کچھ حد تک مختلف ممالک کے جامعات کے جولڑکے ہیں اُن سے کم ہو رہی ہے یا اس طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے۔ جامعہ احمدیہ کے مقالوں میں اردو سے ترجمے بھی کروائے جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بعض کتب، کے ترجمے کئے ہیں اور جو بھی طلباء کے سپروائزر تھے، اُن کے مطابق اچھے ہوئے ہیں۔ لیکن بہرحال اگر معیار بہت اعلیٰ نہیں بھی تو مزید پالش کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ایک کوشش شروع ہوچکی ہے۔ لیکن یہ تو چند ایک طلباء ہیں جن کو دو چار کتابیں دے دی جاتی ہیں، ہمیں زیادہ سے زیادہ زبانوں کے ماہرین چاہئیں۔ اس طرف واقفینِ نَو کو بہت توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر جامعہ کے طلباء کے علاوہ کوئی کسی زبان میں مہارت حاصل کرتا ہے تو اُسے جیسا کہ مَیں نے کہا عربی اور اردو سیکھنے کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔ اس کے بغیر وہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا جس کے لئے زبان کی طرف توجہ ہے۔

جامعہ احمدیہ پر یہاں یا جرمنی میں یا بعض جگہ بعض لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہاں پڑھائی اچھی نہیں ہے۔ یہ بالکل بودے اعتراض ہیں۔ اُن کے خیال میں اُن کا جو اعتراض ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جامعہ سے فارغ ہوتا ہے تو اُس کو عربی بولنی نہیں آتی یا بول چال اتنی اچھی نہیں ہے۔ جہاں تک زبان کی مہارت کا سوال ہے، جامعہ احمدیہ میں کیونکہ مختلف مضامین پڑھائے جاتے ہیں، صرف ایک زبان کی طرف ہی تو توجہ نہیں دی جاتی۔ باقی یونیورسٹیوں میں یا دوسرے مدرسوں میں اگر پڑھایا جاتا ہے تو ایک مضمون پڑھا کر اُس پر توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن یہاں تو مختلف مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ ہاں جب یہ دیکھا جائے کہ کسی کا کسی زبان کی طرف رجحان ہے یا زبانوں کے سیکھنے کی طرف رجحان ہے تو اُن کو زبانوں میں پھر سپیشلائز بھی انشاء اللہ کروایا جائے گا اور پھر بولنے کا جو شکوہ ہے وہ بھی دُور ہو جائے گا۔ لیکن بہرحال جہاں تک پڑھائی کا سوال ہے، جو علم دیا جا رہا ہے، وہ بہت وسیع علم ہے جو جامعہ کے طلباء اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل کر رہے ہیں۔ پاکستان میں تو کیونکہ پرانے جامعات ہوگئے ہیں، وہاں تخصص بھی کروایا جاتا ہے، سپیشلائز بھی کروایا جاتا ہے۔ تو یہ تو بعض لوگوں کے، خاص طور پر جرمنی سے مجھے اطلاع ملی تھی، جامعہ میں بچوں کو نہ بھیجنے کے بہانے ہیں۔ جیسا کہ مَیں نے کہا اللہ تعالیٰ کے فضل سے یوکے اور کینیڈا کے جو طلباء جامعہ سے فارغ ہوئے ہیں ان کا تبلیغی میدان میں اب تک جو تھوڑا تجربہ ہوا ہے وہ اللہ کے فضل سے بڑے مؤثر رہے ہیں۔ اور یہ علم تو جیسا کہ مَیں نے کہا ساتھ ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ بڑھتا چلا جائے گا۔ پس جو لوگ یہ باتیں کرتے ہیں اور بعض طلباء کو جامعہ آنے یا داخلہ لینے سے بد دل کرتے ہیں، یہ لوگ صرف فتنہ ہیں یا اُن میں نفاق کا رنگ ہے۔ اس لئے اُن کو بھی استغفار کرنی چاہئے۔ جو شعبہ وقفِ نَو ہے،

اُنہوں نے بعض انتظامی باتوں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے جو مَیں دہرا دیتا ہوں۔شاید پہلے بھی بعض کا ذکر ہو چکا ہو۔

وقفِ نَو میں ماں باپ بچوں کی بلوغت کو پہنچ کر یا پہلے ہی اس طرح تربیت نہیں کرتے، جیسا کہ مَیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بچوں نے اپنے آپ کو باقاعدہ جماعت کی خدمت میں پیش کرنا ہے۔ایسی تربیت سے بچوں کو یہ پتہ ہونا چاہئے۔تعلیم کے ہر مرحلے پراُن کوتوجہ دلائیں۔اور پھر وقفِ نَو کا جو شعبہ ہے اُس سے رہنمائی بھی حاصل کریں۔ اپنی تعلیم کے بارے میں بچوں کو پوچھنا چاہئے کہ اب ہم اس سٹیج پرپہنچ گئے ہیں کیا کریں؟اور اگر اُس نے اپنی مرضی کرنی ہے یا ایسے شعبوں میں جانا ہے جس کی فی الحال جماعت کو ضرورت نہیں ہے تو پھر وقف سے فراغت لے لیں۔

لڑکیاں جو واقفاتِ نَو ہیں، جو پاکستانی اوریجن (origin) کی ہیں، پاکستان سے آئی ہوئی ہیں، جن کو اردو بولنی آتی ہے، وہ اردو پڑھنی بھی سیکھیں۔ اور جو یہاں باہر کے ملکوں میں رہ رہی ہیں وہ مقامی زبان بھی سیکھیں۔ جہاں انگلش ہے، جرمن ہے یا ایسے علاقوں میں ہیں جہاں انگلش سرکاری زبان ہے اور مقامی لوکل زبانیں اَور ہیں وہ بھی سیکھیں،عربی سیکھیں، پھر اپنے آپ کو تراجم کے لئے پیش کریں۔مَیں نے دیکھا ہے عورتوں میں،لڑکیوں میں زبانوں کا ملکہ زیادہ ہوتا ہے۔اس لئے وہ اپنے آپ کو پیش کرسکتی ہیں۔پھر ڈاکٹر ہیں، ٹیچر ہیں، یہ بھی لڑکیاں اپنے آپ کو ٹیچر اور ڈاکٹر بن کے بھی پیش کرسکتی ہیں، اسی طرح لڑکے بھی۔تو اس طرف بھی توجہ ہونی چاہئے اور شعبہ کو ہر مرحلے پر پتہ ہونا چاہئے۔ مقامی جماعتی نظام کو لڑکوں اور لڑکیوں کی رہنمائی اور تربیت کے لئے سال میں کم از کم دو مرتبہ اُن کے فورم منعقد کرنے چاہئیں جس میں کام اور تعلیم کی رہنمائی ہو۔

ان کے شعبہ کو ایک شکوہ یہ ہے کہ بعض والدین وقف کرنے کے بعد، حوالہ نمبر ملنے کے بعد مقامی جماعت اور مرکز دونوں سے تقریباً لاتعلق ہو جاتے ہیں یا ویسے رابطہ نہیں رکھتے جیسا کہ رکھنا چاہئے۔اور پھر ایک سٹیج پر پہنچ کے جب شعبہ یہ کہتا ہے کہ رابطہ نہیں ہے آٹھ دس سال گزر گئے ہیں ان کو نکال دیا جائے، تو اُس وقت پھر شکوے پیدا ہوتے ہیں۔اس لئے حوالہ نمبر ملنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب رابطہ ختم کرلیا اور وقفِ نَو ہو گیا۔مسلسل رابطہ دفتر سے اور اپنے نیشنل سیکرٹری شعبہ سے بھی اور مرکز سے بھی قائم رکھنا ضروری ہے۔ پھر واقفینِ نَو اور واقفاتِ نَو کا نصاب مقرر ہے جو پہلے توصرف بنیادی تھا، اب اکیس سال تک کے لڑکوں اور لڑکیوں کا یہ نصاب مقرر ہو چکا ہے۔اس کو پڑھنا بھی چاہئے اور اگر امتحان وغیرہ ہوتے ہیں تو اس میں بھر پور شمولیت اختیار کرنی چاہئے۔اور اس سے اوپر جولڑکے لڑکیاں ہیں، اُن کو قرآنِ کریم کی تفسیر جن کو اردو آتی ہے وہ اردو میں، اور جن کو انگلش آتی ہے وہ انگلش میں five volume commentary جو ہے وہ پڑھیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب جو مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں، جو جو زبان آتی ہے اُس میں پڑھیں۔ خطبات اور خطابات ہیں وہ باقاعدہ سنیں۔ اپنا علم بڑھاتے چلے جائیں۔ یہ بھی اُن کے لئے ضروری ہے اور پھر اس کی رپورٹ بھی بھجوا کریں۔

جو سیکرٹریانِ وقفِ نَو ہیں یہ بھی بعض جگہ فعّال نہیں ہیں۔ یہ بھی صرف عہدہ سنبھال کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ان لوگوں کو بھی فعّال ہونے کی ضرورت ہے۔ نہیں تو اس سال انتخابات ہو رہے ہیں، جماعتوں سے یہ رپورٹیں آنی چاہئیں کہ کون کون سے سیکرٹریانِ وقفِ نَو فعّال نہیں ہیں اور اگر وہ فعّال نہیں ہیں تو چاہے اُن کے ووٹ زیادہ ہوں اُن کو اس دفعہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔

نصاب کا پہلے ذکر آیا تھا۔اگر جماعت کا بھی ایک نصاب بنا ہوا ہے، اور وہاں ایسا انتظام نہیں ہے کہ علیحدہ علیحدہ انتظام ہو سکے تو جو جماعتی نصاب ہے، اُسی میں وقفِ نَو بھی شامل ہو سکتے ہیں، پڑھیں۔تھوڑا بہت معمولی فرق ہے۔ آپس میں دونوں کی کوآرڈی نیشن (Co-ordination) اگر ہو جائے تو اطفال کی عمر کے اطفال کا نصاب پڑھ سکتے ہیں، خدام کی عمر کا وہ پڑھ سکتے ہیں، لجنہ والی لجنہ کا پڑھ سکتی ہیں یا نصاب آپس میں سمویا جاسکتا ہے۔ جب جماعتی نظام کے تحت سیکرٹری تربیت اور سیکرٹری تعلیم اور سیکرٹری وقفِ نَو جماعتی شعبہ کے تحت ہی کام کررہے ہیں تو امراء اور صدران کا کام ہے کہ ان کو اکٹھا کر کے ایسا معین لائحہ عمل بنائیں کہ یہ نصاب بہرحال پڑھا جائے۔ خاص طور پر واقفینِ نَو کو اس میں ضرور شامل کیا جائے۔ پھر یہ جو وقفِ نَو کا نصاب ہے اُس کو مختلف ممالک اپنی زبانوں میں بھی شائع کروا سکتے ہیں۔ سویڈن نے اپنی زبان میں شائع کروایا ہے۔ فرنچ میں شائع کرنے کے لئے فرانس والے اور ماریشس والے کوشش کریں۔ اور یہ کوشش صرف زبانی نہ ہو۔ یہ تو اطلاع فوری طور پر دیں کہ کون اس کا ترجمہ کرسکتا ہے اور دو مہینے کے اندر اندر یہ ترجمہ ہو بھی جانا چاہئے۔

واقفینِ نَو کے مطالعہ میں روزانہ کوئی نہ کوئی دینی کتاب ہونی چاہئے۔ چاہے ایک دو صفحے پڑھیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب، جیسا کہ مَیں نے کہا، اگر وہ پڑھیں تو سب سے زیادہ بہتر ہے۔ پھر اسی طرح خطبات ہیں سو فیصد واقفینِ نَو اور واقفاتِ نَو کو یہ خطبات سننے چاہئیں۔ کوشش کریں۔ یہاں یوکے میں ایک دن مَیں نے کلاس میں جائزہ لیا تھا تو میرا خیال ہے دس فیصد تھے جو باقاعدہ سنتے تھے۔ اس کی طرف شعبہ کو بھی اور والدین کو بھی اور خود واقفینِ نَو کو بھی توجہ دینی چاہئے۔ انتظامیہ کو بھی چاہئے کہ وہ واقفینِ نَو کے جو پروگرام بناتے ہیں، وہ interactive پروگرام ہونے چاہئیں جس سے زیادہ توجہ پیدا ہوتی ہے۔

پھر اسی طرح ہر ملک کی جو انتظامیہ ہے وہ ایک کمیٹی بنائے جو تین مہینہ کے اندر یہ جائزہ لے کہ ان ملکوں کی اپنی ضروریات آئندہ دس سال کی کیا ہیں؟ کتنے مبلغین ان کو چاہئیں؟ کتنے زبان کے ترجمے کرنے والے چاہئیں؟ کتنے ڈاکٹرز چاہئیں؟ کتنے ٹیچرز چاہئیں؟ جہاں جہاں ضرورت ہے۔ اور اس طرح مختلف ماہرین اگر چاہئیں تو کیا ہیں؟ مقامی زبانوں کے ماہرین کتنے چاہئیں؟ تو یہ جائزے لے کر تین سے چار مہینے کے اندر
اندر اس کی رپورٹ ہونی چاہئے اور پھر جو شعبہ وقفِ نَو ہے وہ اس کا پراپر فالو اَپ (Proper Follow up) کرے۔

بعض لوگ بزنس میں جانا چاہتے ہیں یا پولیس یا فوج میں جانا چاہتے ہیں یا اَور شعبوں میں جانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے وہ بے شک جائیں لیکن وقف سے فراغت لے لیں۔ یہ اطلاع کیا کریں۔ پھر اسی طرح ہر ملک میں واقفینِ نَو کے لئے کیریئر گائیڈنس کمیٹی بھی ہونی چاہئے جو جائزہ لیتی رہے اور مختلف فیلڈز میں جانے والوں کی رپورٹ مرکز بھجوائے یا جن کو مختلف فیلڈز میں دلچسپی ہے، اُن کے بارے میں اطلاع ہو، پھر مرکز فیصلہ کرے گا کہ آیا اس کو کس صورت میں اجازت دینی ہے۔ اور پھر یہ بھی جیسا کہ مَیں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنے والے واقفینِ نَو اپنے تجدیدِ وقفِ نَو کے عہد کو نہ بھولیں، لکھ کر بھجوایا کریں۔ بانڈ (Bond) لکھیں۔ اسی طرح واقفینِ نَو کے لئے ایک رسالہ لڑکوں کے لئے ''اسماعیل'' اور لڑکیوں کے لئے ''مریم'' شروع کیا گیا ہے۔ جرمن اور فرنچ میں بھی اس کا ترجمہ ہونا چاہئے۔ اگر تو ایسے مضامین ہیں جو وہاں کے مقامی واقفینِ نَو، واقفاتِ نَو لکھیں تو وہ شائع کریں۔ نہیں تو یہاں سے مواد مہیا ہو سکتا ہے اس کو یہ اپنی اپنی زبانوں میں شائع کر لیا کریں۔ اردو کے ساتھ مقامی زبان بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ تمام اُن والدین میں جنہوں نے اپنے بچے وقفِ نَو کے لئے پیش کئے، اس رنگ میں بچوں کی تربیت اور دعا کرنے کی طرف توجہ پیدا فرمائے جو حقیقت میں اُن کو واقفینِ نَو بنانے کا حقدار بنانے والی ہوں۔ اور یہ بچے والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں۔ بچوں کو بھی اپنے ماں باپ اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق بھی عطا فرمائے اور وہ حقیقت میں اُس گروہ میں شامل ہو جائیں جن کا کام صرف اور صرف دین کی اشاعت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرمائے۔

☆......☆......☆

تاریخی متبرک انگوٹھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک انگوٹھی جو حضور اپنے دستِ مبارک میں پہنا کرتے تھے اور حضور کی وفات کے بعد حضرت اماں جانؓ کے ذریعہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو منتقل ہوئی اور آپ کے بعد سیّدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو اور پھر حضرت سیّدنا مرزا طاہر احمد صاحب کے خلیفۃ المسیح منتخب ہونے پر پہلی عام بیعت لینے کے بعد جب حضور قصرِ امامت تشریف لے گئے تو حضرت سیّدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ نے یہ متبرک انگوٹھی اپنے دستِ مبارک سے حضور کی انگلی میں پہنائی۔

(بحوالہ ماہنامہ خالد اپریل مئی 1983ء)

(نوٹ: اب یہ متبرک انگوٹھی حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے پاس ہے۔ ایڈیٹر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں قصیدہ

منظوم کلام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

نوٹ: یہ قصیدہ 47 اشعار پر مشتمل ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔

وہ قصیدہ میں کروں وصفِ مسیحا میں رقم
فخر سمجھیں جسے لکھنا بھی مرے دست و قلم

مَیں وہ کامل ہُوں کہ سُن لے مرے اشعار کو گر
پھینک دے جام کو اور چُومے مرے پاؤں کو جمؔ

مَیں کسی بحر میں دکھلاؤں جو اپنی تیزی
عرفیؔ و ذوقؔ کے بھی دست و زباں ہوویں قلم

کھولتا ہوں میں زباں وصف میں اس کے یارو
جس کے اوصافِ حمیدہ نہیں ہو سکتے رقم

جان ہے سارے جہاں کی وہ شہِ والا جاہ
منبعِ جُود و سخا ہے وہ مرا ابرِ کرم

وہ نصیبا ہے ترا اے مِرے پیارے عیسیٰ
فخر سمجھیں تری تقلید کو ابنِ مریم

فیض پہنچانے کا ہے تُو نے اُٹھایا بیڑا
لوگ بُھولے ہیں تیرے وقت میں نامِ حاتم

دیکھ کر تیرے نشانات کو اے مہدیٔ وقت
آج انگشت بدنداں ہے سارا عالم

مال کیا چیز ہے اور جاں کی حقیقت کیا ہے
آبرو تجھ پہ فدا کرنے کو تیار ہیں ہم

غرق ہیں بحرِ معاصی میں ہم اے پیارے مسیحؑ
پار ہو جائیں اگر تُو کرے کچھ ہم پہ کرم

اپنے وعدے کے مطابق تجھے بھیجا اُس نے
اُمّتِ خیرِ رُسل پر ہے کیا اُس نے کرم

تیرے ہاتھوں سے ہی دجّال کی ٹُوٹے گی کمر
شرک کے ہاتھ ترے ہاتھ سے ہی ہوویں گے قلم

دجل کا نام و نشاں دہر سے مِٹ جائے گا
ظلِّ اسلام میں آجائے گا سارا عالم

جو کہ ہیں تابعِ شیطاں نہیں ان کی پروا
ایک ہی حملے میں مِٹ جائے گا سب اُن کا بھرم

جبکہ وہ زلزلہ جس کا کہ ہوا ہے وعدہ
ڈال دے گا تیرے اعداء کے گھروں میں ماتم

تب اُنہیں ہوگی خبر اور کہیں گے ہَیہات
ہم تو کرتے رہے ہیں اپنی ہی جانوں میں ستم

تیری سچائی کا دُنیا میں بجے گا ڈنکا
بادشاہوں کے ترے سامنے ہونگے سَر خَم

التجا ہے میری آخر میں یہ اے پیارے مسیحؑ
حشر کے روز تو محمودؔ کا بنیو ہمدم

ذکرِ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

تقریر حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب برموقعہ جلسہ سالانہ 1964ء

(جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ 1964ء کے موقعہ پر 28 دسمبر 1964ء کے پہلے اجلاس میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب نے ذکرِ حبیبؑ کے موضوع پر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی)

احبابِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے احباب کے سامنے چند باتیں بطور ذکرِ حبیبؑ بیان کرنی ہیں وباللہ التوفیق۔ سچ تو یہ ہے کہ مَیں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس بلند مقام وجود کے متعلق جس کی شان جری اللہ فی حلل الانبیاء ہے کچھ بھی بیان کرسکوں۔ میرا دل تو لفظ حبیب سے بھی تھراتا ہے کہ یہ ناچیز کجا اور وہ ذاتِ مقدس کجا۔ میں تو وہ ہوں جسے نصف صدی سے حضرت محمود کے قدموں کے ساتھ ہی واسطہ چلا آرہا ہے اور کہتا ہوں ؏

پاؤں ترے کہاں مرا ناچیز سر کہاں

اس وقت میرے دل کی یہ پکار ہے ؎

پہنچائیں در پہ یار کے وہ بال وپَر کہاں دیکھے جمالِ یار جو ایسی نظر کہاں

میں ابھی بارہ سال کا تھا کہ مجھے اپنے دادا حضرت مولا بخشؓ اور والد حضرت رحیم بخشؓ صاحب کی معیت اس بیعت میں حاصل ہوئی جو حضرت مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانویؓ نے 1899ء میں مسجد پٹیالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے لی تھی۔

جب کچھ شعور پیدا ہوا اور عمر قریباً پندرہ سال کی ہوئی تو صرف اپنی خواہش سے حضور کی خدمت میں بیعت کا خط لکھا تا کہ سند اور دعا حاصل ہو چنانچہ چند ہی دنوں میں مجھے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط مل گیا کہ حضور نے بیعت قبول فرمائی اور دعا فرمائی۔

اسی طرح بیعت کی درخواست میرے دو بزرگ ساتھیوں شیخ محمد افضل صاحب اور میاں خدا بخش صاحب نے بھی کی تھی۔ چنانچہ ہم تینوں کے نام نو مبایعین کی فہرست میں 17 جون 1902ء کے الحکم میں شائع ہوگئے۔ یہ دونوں بزرگ بھی خدا کے فضل سے بقید حیات ہیں۔

اس بیعت اور اس دعا کا یہ اثر دیکھا کہ میرے اندر شوق نماز اور ذوق دعا پیدا ہوگیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوگیا۔ میں نے چھوٹی عمر میں ہی سرمہ چشم آریہ جیسی دقیق کتاب سمجھ کر پڑھی۔ اسی زمانہ میں جبکہ طاعون زوروں پر تھی تو مقدس رسالہ کشتی نوح پڑھنا نصیب ہوا۔ جس نے دل پر خاص اثر پیدا کیا۔ دُنیا کی بے ثباتی نظر آنے لگی جیسا کہ میرے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے جو کہ اُنہی ایام کے کہے ہوئے ہیں۔ اس وقت میری تعلیم کچھ نہ تھی ابھی چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا وہ اشعار یہ ہیں:

ہم تو بندے ہیں ترے عاجز غریب و بے نوا
ہم غریبوں پر تری اک مہربانی چاہیئے
اس جہاں فانی سے کچھ بھی ہے نہیں لے جانا ساتھ
اک سند تیری رضا کی ہم کو پانی چاہیئے
کچھ نہیں مقصود یاں اس تنگنائے دہر میں
اک جھلک تیری نگہ کی ہم کو آنی چاہیئے

یہ اشعار پوری ترجمانی اس حالت کی کرتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی تعلیم توجہ اور دعا سے ایک طفل کے دل کی ہوگئی تھی۔ جب میں 18 سال کا ہوا تو میرے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا ولولہ پیدا ہوا۔ مگر ذرائع کی کمی کی وجہ سے قادیان جانا مشکل تھا ایسے حال میں مَیں نے رورو کر دعا کرنا شروع کردی کہ یا الٰہی! مجھے حضور کی زیارت نصیب کر۔ ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی زیارت رؤیا کے ذریعہ پٹیالہ میں ہی کرادی میں نے دیکھا کہ مَیں اپنی مسجد پٹیالہ کے حجرے میں لیٹا ہوا ہوں اور دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندر تشریف لائے ہیں۔ میں فرطِ محبت سے چار پائی سے اُٹھ کر حضور کو چمٹ گیا۔ گویا حضور کا ہی ہوگیا۔ اس رؤیا کے دیکھنے سے میرا دل

اللہ تعالیٰ کے شکر سے بھر گیا۔ اور اس کے سمیع وبصیر وغریب نواز ہونے پر یقین آ گیا۔ ابھی اس رؤیا کے دیکھے دو تین ماہ ہی ہوئے تھے کہ میرے مہربان آقا نے جو میرے دل کی حالت سے واقف تھا مجھے ایک قافلہ کی معیت میں قادیان حاضر ہونے کی توفیق عطا فرمادی۔ یہ سفر اگست 1905ء میں ہوا تھا۔

حضور علیہ السلام کی سب سے پہلی زیارت مسجد مبارک میں اس وقت نصیب ہوئی جبکہ آفتاب غروب ہو چکا تھا اور حضور چاند کی مانند چہرہ کے ساتھ اندرون خانہ سے مسجد میں نمازِ مغرب کے لئے تشریف لائے تھے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ۔ پہلی زیارت ہی باعثِ مسرت ہوئی۔ بعد نماز جب حضور شہ نشین پر مجلس فرما ہوئے تو حضور کے قریب ہو کر کچھ موقعہ پاؤں دبانے کا بھی مل گیا۔ اور جب حضور نے نو مبایعین کی بیعت لی تو حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا نصیب ہوئی۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔

ہمارا قیام دس روز تک مہمان خانہ میں رہا۔ ہم سے پہلے ایک شخص مسمی عبدالحق نو مسلم سابق بشند اس بطور مہمان موجود تھا۔ جو سالہا سال پنڈت دیانند کے ساتھ گیسؔ میں رہنا بیان کرتا تھا۔ اس نے ہمیں پہلے ہی روز بتلایا کہ مَیں کئی روز سے یہاں آیا ہوں اور حضرت صاحب سے دو دفعہ بیعت لینے کیلئے کہہ چکا ہوں۔ مگر حضور یہی فرماتے ہیں کہ ٹھہریں جلدی نہ کریں۔ لیکن اس نے اسی شام (اپنے بیان کے بموجب) بیعت کر لی۔ جس شام ہم نے بیعت کی تھی۔

اگلی صبح ہم نے حضور کو اندرونِ خانہ سے باہر تشریف لا کر اس جگہ کھڑے دیکھا جہاں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کی بنیاد رکھی جارہی تھی۔ ہم سب مہمان حضور کے سامنے گلی میں کھڑے تھے۔ اس اثناء میں عبدالحق بھی آ گیا اور اس نے دُور کھڑے ہوئے کہا۔ حضور مبارک ہو۔ کل شام میں نے بھی بیعت کر لی ہے۔ اس وقت حضور کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوئے اور حضور نے کسی قدر مرارت کے لہجہ میں فرمایا کہ محض ہاتھ پر ہاتھ رکھ لینے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک بیعت کنندہ اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرے اور سچا تقویٰ اختیار نہ کرے وغیرہ۔ ہم نے اس شخص کو اسی شام کو شکایت کرتے سُن لیا۔ اور یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ اگلی صبح کو بہت کچھ سخت سُست الفاظ مُنہ سے نکالتا ہوا یکہ پر سوار ہو کر قادیان سے نکل گیا۔ اور ہمارے لئے حضور علیہ السلام کی فراست مومنانہ کا ثبوت بہم پہنچا گیا۔

ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے نمازیں حضرت صاحب کی معیّت میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی اقتداء میں مسجد مبارک میں ادا کیا کرتے تھے اور حضور کی زیارت کا بار بار شرف حاصل کرتے۔ اور جب حضور مجلس آراء ہوتے تو حضور کے کلمات طیّبات کے سننے کا موقعہ مل جاتا حضور کی مجلس میں تمام ہموم وغموم دُور ہو کر سکینت قلب حاصل ہوتی۔ حضور بالعموم نماز مغرب کے بعد نمازِ عشاء کے وقت تک مسجد کی اوپر کی چھت کی شہ نشین پر بیٹھا کرتے تھے۔ حضور کے پہلو میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بھی بیٹھے نظر آتے۔ جو فدائیت میں مثلِ پروانہ تھے۔ مگر ہمیں بے تکلف دوست نظر آتے۔ انہی دنوں حضور کو فــزع عیسیٰ و من معہ کا الہام ہوا جو اسی وقت سے چلا آرہا ہے۔ ہمیں اس وقت کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ الہامی خبر اس قدر جلد پوری ہو جائے گی۔ جبکہ صرف دو ماہ بعد ہی وہی عبدالکریم وہی اپنے محبوب آقا کے ساتھ شہ نشین پر بیٹھنے والا عبدالکریم وہی پروانہ شمع روشن وہی عندلیب بوستانِ احمد جو اپنے محبوب آقا کا محبوب رفیق تھا۔ داغِ مفارقت دے جائے گا مگر ہمارے لئے نمونہ چھوڑ جائے گا کہ شمعِ ہدایت پر اس طرح جل کر دکھانا چاہیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فی الحقیقت حضرت مولوی صاحب کی مفارقت کا سخت صدمہ پہنچا تھا۔ جو کہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ محبت کی دلیل ہے۔ یہی محبت قلبی تھی۔ جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں چار لاکھ سے زائد افراد کو جامہء فدائیت پہنا دیا تھا۔ میں حضور کی اس قلبی کیفیت کا گواہ ہوں۔ میں ایک روز اوائل عمری میں حضور کی ایک کتاب مسجد میں اکیلا بیٹھا پڑھ رہا تھا جس کا اثر دل پر اس قدر ہوا کہ یہ عہد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ کہ مَیں اس ذاتِ مقدس کو ہرگز نہ چھوڑوں گا خواہ ساری دُنیا چھوڑ دے۔

حضرت مولوی صاحب کی وفات کے بعد حضور چند دن تک حسب دستور مسجد میں مجلس فرما ہوتے رہے۔ مگر حضور نے یہ فرماتے ہوئے کہ جب میں مسجد میں بیٹھتا ہوں اور مولوی صاحب نظر نہیں آتے تو دل گھٹنے لگتا ہے بیٹھنا بند کر دیا۔

ہم نے ایک نماز جمعہ بھی حضور کی معیت میں اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی اقتداء میں مسجد مبارک میں ادا کی تھی۔ حضرت مولوی صاحب کا خطبہ پُر شوکت وجلال تھا۔ آپ کا یہ بیان اس وقت تک یاد ہے کہ خدا کے نبی بڑے شرمیلے ہوتے ہیں جس طرح ''نویں ویاہی ووٹی'' (جیسے نئی بیاہی دُلہن) اس وقت حضور علیہ السلام حضرت مولوی صاحب کے عین سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے چہرے سے حیا نمایاں تھی۔ حضرت مولوی صاحب کا یہ بیان انتہائی

محبت اور بے تکلفی کا ثبوت اور حضور علیہ السلام کی جبلّتِ حیا کا نقشہ تھا۔ ہم نے حضور علیہ السلام کو کسی کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہوئے کبھی نہ دیکھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ خاکسار کے نزدیک یہی جبلّت حیا حضور کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے اندر ودیعت ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے احباب جماعت غضِ بصر کے عامل ہو گئے تھے۔ اور یہی غضِ بصر کی عادت ان کے اندر جبلّت حیا پیدا کرنے کا موجب بن گئی تھی۔ یہی حیا لاکھوں میں احیائے ایمان کا موجب ہوگئی تھی جس طرح حضورؑ کے فرمودہ کے مطابق آج ہم وفاتِ مسیح میں حیاتِ اسلام کہتے ہیں۔ مَیں اسی طرح غضِ بصر و جبلّت حیاء میں احیائے ایمان کہتا ہوں۔ اور میں اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ جس قدر عادت غضِ بصر اور حیا نصیب ہوئی اسی قدر نورِ قلب حاصل ہوا۔

آج کے احمدی احباب جو ہزاروں نوروں اور برکتوں کے عامل ہیں یہ اسی تخمِ حیا کا نتیجہ ہے جو ان کے بزرگوں کے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں بویا گیا تھا۔ میں یقینِ کامل کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اعلیٰ درجہ کی جبلت حیا نہ ہوتی اور اگر غضِ بصر اور جبلت حیاء والی جماعت اس وقت پیدا نہ ہوتی تو وہ ایمان جو بے حیائی کے عملوں کی وجہ سے آسمان پر چلا گیا تھا۔ ہرگز زمین پر واپس نہ آتا۔ پس مبارک ہے وہ جماعت جس کے وجود سے عادتِ غضِ بصر نظام پردہ اور جبلت حیا قائم ہوئی اور یہ کہ دنیا جہاں کے لئے حقیقی اسلام کا نمونہ بنی اور احیائے ایمان کا موجب۔

دوسری بار زیارت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے جلسہ سالانہ 1907ء کے موقعہ پر قادیان جانے کی توفیق دی۔ اس موقعہ پر جہاں حضور کا کلام مقدس سُننے کا موقعہ ملا۔ وہاں کئی ایک نشانہائے رحمت بھی دیکھنا نصیب ہوئے۔

اوّل۔ سب سے پہلا نشانِ رحمت تو یہ تھا کہ ہم نے حضورؑ کی دُعا کو جو جلسہ سالانہ پر آنے والے احباب کی خیر و عافیت کے لئے تھی۔ اپنی ذات میں پورا ہوتے دیکھ لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مبارک جلسہ کے لئے ہم تین حقیقی بھائی محمد یوسف حضرت حافظ ملک محمد صاحب اور یہ خاکسار پٹیالہ سے روانہ ہوئے تھے ہم نے تصرفِ الٰہی سے بجائے 24 دسمبر کی شام کی گاڑی کے جس پر عام طور پر جلسے کے لئے سفر اختیار کیا جاتا تھا بارہ گھنٹے پہلے صبح کی گاڑی سے سفر اختیار کرلیا۔ تا کہ ہم اپنے امرت سر کے ایک واقف کے ہاں ایک رات بہ نیت تبلیغ گزاریں ہم نے رات امرت سر میں بسر کی جب اگلی صبح 25 دسمبر کو بٹالہ قادیان کو جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج رات دو ریلوں کی سخت ٹکر۔۔۔لدھووال کے اسٹیشن کے قریب ہوگئی۔ جس سے اڑھائی تین سو جانیں ضائع ہوگئیں۔ ان میں ایک گاڑی وہ بھی تھی جس پر ہمارے سفر کرنے کا امکان تھا۔ اگر ہم پٹیالہ سے شام کی گاڑی سے سفر اختیار کرتے جہاں اس خبر سے بہت افسوس ہوا۔ اور دل پر دہشت طاری ہوگئی۔ وہاں دل میں شکر ایزدی بھی پیدا ہوا کہ تین غریبوں کی جانیں بچ گئیں۔

ہمیں جلسہ کے پہلے روز 26 دسمبر کو حضور کی صبح کی سیر میں معیت نصیب ہوئی اس روز حضور نے قصبہ کے جانب شمال سیر کی تھی۔ حضور کے گرد ایک بڑی بھیڑ تھی۔ اور حضور نے بالا رادہ ہندوؤں والے بازار سے گزرنا اختیار کیا تھا۔ تا کہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج سے 25 سال پہلے کی پیشگوئی کہ لوگ دور دراز سے کثرت سے آئیں گے اور تحفے تحائف لائیں گے۔ نمایاں طور پر آج پوری ہوگئی ہے۔ حضور تیز تیز چلے جا رہے تھے۔ اور عشاق اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ حضور کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر چلا جائے نوبت بایں جارسید کہ عشاق میں سے کسی ایک کے یا دو کے پاؤں کے بے احتیاطی سے پڑ جانے کی وجہ سے حضور کی جوتی جو دیسی ساخت کی تھی۔ دو بار پاؤں سے اُتر گئی۔

مَیں نے دیکھا کہ نہ تو حضور کے چہرے پر خفگی کے آثار تھے اور نہ حضورؑ نے زبان سے کوئی لفظ شکوہ نکالا۔ بلکہ حضورؑ نے پیچھے کی طرف بھی نہ جھانکا کہ کوئی شرمندہ نہ ہو جائے۔ اسی موقعہ پر حضرت مفتی صاحبؓ پکار اُٹھے تھے لوگ بھی کیا کریں۔ اس قدر مدّت کے بعد تو خدا کا نبی آیا ہے۔

الغرض منتظمین نے حضور کو ایک درخت کے نیچے جو ''لسوڑے'' کا درخت تھا ٹھہرا کر اور حلقہ حفاظت بنا کر عشاق کا مصافحہ کروادیا۔ اس مصافحہ کے موقعہ کا ایک واقعہ تا حال میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ یہ کہ ایک بوڑھا زمیندار جب اپنی باری پر حضور کے سامنے پہنچا تو بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھوں کو مصافحہ کے لئے بڑھاتا ان سے اپنے تہہ بند کے ایک سرے کی گانٹھ کھولنے لگ گیا۔ اور اس میں بہت دیر لگا دی اس قدر کہ منتظر احباب کا صبر کا پیالہ چھلکنے لگ گیا۔ مگر حضور ہیں کہ اطمینان سے کھڑے ہوئے ہیں جیسے چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ آخر ہمارا بوڑھا گانٹھ کھول کر روپیہ نکال کر نذرانہ پیش کر کے مصافحہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ہزاروں رحمتیں ہوں اس بزرگ پر کہ جس کے طفیل عشاق

کے عشق اور پھر صبر اور حضور کے خلقِ عظیم کا نمونہ دیکھنا نصیب ہوا، آمین۔
مصافحہ کے بعد حضور جانبِ شمال آدھ میل تک سیر کے لئے تشریف لے گئے جہاں پر احباب نے صاف کھلی جگہ پر دھوپ میں کمبل اور کھیس بچھا کر ایک فرش بنا دیا۔ جس پر حضور تشریف فرما ہوئے۔ غالبًا یہ وہی خوش بخت جگہ تھی۔ جہاں پر چند ہی سال بعد ہائی سکول کی عظیم الشان عمارت بن گئی۔ اس موقعہ پر حضورؑ کی مدح میں حضرت مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کی فارسی کی ایک نظم خوش الحانی سے پڑھنا یاد ہے۔

دوسرا نشانِ رحمت

دوسرا نشانِ رحمت یہ دیکھا کہ جلسہ کے دوسرے دن 27 دسمبر کو جملہ احباب نمازِ جمعہ کے لئے مسجد اقصیٰ میں جمع تھے اور میں بھی پچھلی صف میں زینہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ حضورؑ کو قریب سے دیکھ لوں۔ لیکن اس کی بظاہر کوئی امید نہ تھی۔ مگر تھوڑی دیر میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں داخل ہوتے ہی عین میرے قریب اگلی صف میں بیٹھ گئے۔ میرا دل شکر ایزدی سے بھر گیا کہ اس قدر جلدی میری دلی خواہش پوری فرما دی۔
حضور کا اس جگہ پر آن بیٹھنا بظاہر آگے محراب تک راستہ کے نہ ہونے کے باعث تھا کہ احباب سُنتیں پڑھ رہے رتھے لیکن میرا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ میری خاطر حضور کو اس جگہ لے آیا تھا۔ اور وہی تھا کہ جس کی بھوک نے اگلے روز عرش کو ہلانا تھا۔ بعد نماز جمعہ وعصر حضورؑ نے تقریر فرمائی جس کا ابتدائی حصہ یہ تھا:
دیکھو اوّل اللہ جلشانہٗ کا شکر ہے کہ آپ صاحبوں کے دلوں کو اس نے ہدایت دی اور باوجود اس بات کے کہ ہزاروں مولوی ہندوستان اور پنجاب کے تکذیب میں لگے رہے آپ کو ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے کا موقعہ دیا۔ یہ بھی اللہ جلّ شانہٗ کا بڑا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تکذیب اور تکفیر کے اور ہمارے مخالفوں کی دن رات سرتوڑ کوششوں کے یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس وقت ہماری جماعت چار لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی اور یہ بڑا معجزہ ہے کہ ہمارے مخالف دن رات کوشش کر رہے ہیں۔ اور جانکاہی سے طرح طرح کے منصوبے سوچ رہے ہیں اور سلسلہ کو بند کرنے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں۔ مگر خدا ہماری جماعت کو بڑھاتا جاتا ہے۔
جانتے ہو اس میں کیا حکمت ہے۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ جس کو مبعوث کرتا ہے اور جو واقعی طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے روز بروز ترقی کرتا اور بڑھتا جاتا ہے اور اس کا سلسلہ دن بدن رونق پکڑتا جاتا ہے اور اس کو روکنے والا دن بدن تباہ اور ذلیل ہوتا جاتا ہے اور اس کے مخالف اور مکذّب آخر کار بڑی حسرت سے مرتے ہیں جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہماری مخالفت کرنے والے اور ہمارے سلسلہ کو روکنے والے بیسیوں مر چکے ہیں۔
خدا کے ارادہ کو جو درحقیقت اس کی طرف سے ہے کوئی بھی روک نہیں سکتا اور خواہ کوئی کتنی ہی کوششیں کر لے اور ہزاروں منصوبے سوچے مگر جس سلسلہ کو خدا شروع کرتا ہے اور جس کو وہ بڑھانا چاہتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ اگر ان کی کوششوں سے یہ سلسلہ رُک جائے تو ماننا پڑے گا کہ روکنے والا خدا پر غالب آ گیا۔ حالانکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔
پھر ایک معجزہ ہے کہ ان لوگوں کی بابت جو ہزاروں لاکھوں ہمارے پاس آتے رہتے ہیں اللہ جلّ شانہٗ نے براہین احمدیہ میں پہلے ہی سے خبر دے رکھی تھی۔ اور یہ وہ کتاب ہے جو عرب، فارس، انگلستان اور دیگر ممالک میں پچیس برس کا عرصہ گزار کر شائع ہو چکی ہے اس میں بہت سے اسی زمانہ کے الہام بھی درج ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس سے کوئی یہودی عیسائی مسلمان برہمو، آریہ انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کتاب کا ہمارے اشدالعداوۃ یعنی مولوی محمد حسین صاحب (بٹالوی) نے کسی زمانہ میں ریویو بھی لکھا تھا اور اسی کتاب براہین احمدیہ میں آنے والی مخلوق کی صاف طور پر پیشگوئی درج ہے، اور یہ کوئی معمولی پیشگوئی نہیں۔ بلکہ عظیم الشان پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے:
یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق۔ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْق۔ یَنْصُرُکَ اللّٰہُ من عندہ یرفع اللّٰہ ذکرک و یتمّ نعمتہٗ علیک فی الدنیا والاٰخرۃ ص 241 اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح وانتھٰی امر الزمان الینا الیس ھذا بالحق۔ ص240 مَا کان اللّٰہ لیترک حتّٰی یمیز الخَبِیثُ مِنَ الطَّیِّب۔ ص 490 فحان ان تعان وتعرف بین الناس ص489 انّی ناصرک۔ انّی حافظک انّی جاعلک للنّاس اِمَامًا۔ ص507۔
یہ اس کی عبارت ہے اور اس کا مطلب ہے کہ اگر چہ اس وقت تو اکیلا ہے۔ مگر وہ زمانہ تجھ پر آنے والا ہے کہ تو تن تنہا نہیں رہے گا۔ فوج در فوج لوگ دور دراز ملکوں سے تیرے پاس آئیں گے۔ الخ

میں ایک دو باتیں اپنے بزرگ مربی حضرت شیخ محمد کرم الٰہی صاحب پٹیالوی کی بیان کر دینا تحفہ عظیمہ جانتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام 1891ء بار دوم لدھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت شیخ صاحبؓ کے انبالہ کے ایک بزرگ دوست انہیں لدھیانہ ساتھ لے گئے۔ اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ یہ نوجوان بہت سمجھدار ہے اور حضور کا معتقد بھی ہے لیکن بیعت کرنے سے رکتا ہے جس پر حضور نے فرمایا: ''کیوں میاں بیعت کیوں نہیں کرتے''

تو شیخ صاحب نے عرض کیا کہ اوّل تو'' میں اس لئے بیعت نہیں کرتا کہ میں نے ایک دوسری جگہ بیعت کی ہوئی ہے۔ دوم اس لئے رکتا ہوں کہ شاید حضورؑ کے ارشادات کی تکمیل نہ کر سکوں''۔ جس پر حضور نے فرمایا۔ دوسری جگہ بیعت کی ہے تو کچھ حرج نہیں۔ میری بیعت بھی کرلو۔ دیکھو جب ایک طالب علم سکول میں جاتا ہے۔ تو کبھی ایک استاد سے پڑھتا ہے کبھی دوسرے سے اور کبھی تیسرے سے اور یہ بات کہ ہماری تعلیم پر شاید عمل نہ ہو سکے گا۔ تو جب بیعت کر کے عمل کرنے کی نیت کرلو گے تو خدا تعالیٰ توفیق دے دے گا۔ ہمارا کام تو بدیوں سے بچنے کی تلقین کرنا اور نیکو کاری کی ہدایت دینا ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ بیعت کرلو اور جو چاہو کرو۔ اس پر شیخ صاحب بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔ ہمیں بتلایا کہ حضور مجھے اکیلے کو حجرے میں لے گئے۔ اور دروازہ بند کر کے کنڈی خود لگا دی۔ اور مجھ سے بیعت لی۔

دوسری بات ہم سے یہ بیان کی کہ ''ایک بار ابتدائی زمانہ میں مَیں قادیان حاضر خدمت ہوا تھا۔ اس وقت حضور کو میری نسبت جب یہ معلوم ہوا کہ میں سرسیّد احمد خاں مرحوم کے لٹریچر کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ تو حضور نے مجھ سے سوال کیا'' کیوں میاں سرسیّد احمد کے لٹریچر میں اور ہمارے لٹریچر میں کیا فرق ہے''۔ تو میں نے عرض کیا کہ سرسیّد احمد کے لٹریچر کی مثال تو خشک روٹی کے لقمہ کی ہے۔ جو گلے سے بمشکل اترتا ہے مگر حضور کا لٹریچر تو نہایت لذیذ کھانے کی طرح ہے جو گلے سے بآسانی اترتا ہے یہ جواب سُن کر حضور بہت خوش ہوئے۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد وّعلیٰ اٰلِ محمّدٍ کما صلّیت علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم انّک حمیدٌ مّجیدٌ۔'' (تقریر ختم) منقول از الفضل 65/1 22)

اگست 1905ء کے اس مبارک سفر کے دوران جو بتضرع دعا کے نتیجے میں خدا کے فضل سے میسّر آیا تھا ایک اور مبارک ہستی کی محبت کا بیج بھی بو دیا گیا جس کی داستان یہ ہے۔ ایک روز ہم مہمانانِ پٹیالہ عصر کے بعد مہمان خانے میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے ایک طالب علم کو دوسرے طالب علم کو یہ کہتے سُنا کہ چلو میاں صاحب کشتی چلانے کیلئے آ گئے ہیں یہ سن کر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی میاں صاحب اور انکے کشتی چلانے کو دیکھوں کیونکہ اس سے پہلے میں نے میاں صاحب کو نہ دیکھا تھا چنانچہ میں اس جگہ جا پہنچا۔ جہاں حضرت میاں محمود احمد سلمہٗ اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپ کی کشتی بھی قریب ہی ڈھاب میں پڑی ہوئی تھی لیکن میاں صاحب کو دور سے ہی ایک نظر دیکھ کر واپس چلا آیا۔ میں شرم و حیا کی وجہ سے اور میاں صاحب کے ادب کی وجہ سے قریب ہو کر السلام علیکم بھی نہ کر سکا۔ مصافحہ کرنا تو دُور کی بات تھی۔

اگر غور کیا جائے کہ یہ کونسی بڑی کردار تھی کیا بڑی نیکی تھی مگر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ عنداللہ بڑی چیز تھی ایک تو اس وجہ سے کہ جن میاں صاحب کے دیدار کے شوق میں چند قدم اٹھائے تھے وہ ایک خاص مقبول الٰہی ہستی تھی جس نے صفحۂ ہستی پر خدمتِ اسلام کی بے نظیر کردار دکھلائی تھی جس کی شان تھی:

'اے فخرِ رسل قرب تو معلومم شُد دیر آمدۂ زراہِ دور آمدۂ

دوسرے اس وجہ سے کہ میری شرم و حیاء کی اللہ تعالیٰ نے قدر کی۔ پس عنایاتِ خداوندی نے محبت کے چھوٹے سے بیج کو اور کردار کی تھوڑی سی آبپاشی کو ایک بڑے عظیم الشان پھلدار درخت کا ذریعہ بنا دیا۔ خدائے علیم و بصیر جانتا تھا کہ اس عاجز نے اک دن دمشق کے سفید مینار کے قریب نزول عیسیٰ کی پیشگوئی کے پوار ہونے میں شریک ہونا تھا اسلئے اس نے ایسے شخص کو چنا جس نے اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کے حصول کیلئے آنسو بہائے پھر جب زیارت ہو گئی تو اس نے حضور علیہ السلام کے اس فرزند کی زیارت کا شوق ظاہر کیا۔ جسے الہام میں حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا' بتلایا گیا تھا۔

اس تخم محبت کا پہلا پھل یہ ملا کہ 1918ء میں انہی میاں صاحب نے جنہیں میں 1905ء میں قریب پہنچ کر سلام بھی نہ کر سکا تھا مجھے اپنے علاج معالجے کی غرض سے تار کے ذریعہ فوری طور پر اپنے پاس قادیان بلا لیا اور سوا تین مہینے اپنے پاس اسی کمرے میں سلایا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہا کرتے تھے اس وقت مجھے اپنے ربِّ اعلیٰ کی بصیرت۔ مسکین نوازی اور قادریت پر یقینِ کامل حاصل ہوا۔ مجھے اس وقت حضرت میاں محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذاتِ

والا صفات میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نظر آ رہے تھے کہ اس وقت آپ خلیفہء مسیح موعود تھے اور آپ کے چھوڑے ہوئے نا تمام کاموں کو بوجہ احسن انجام دے رہے تھے اور ظاہرً اطور پر اسی کمرے میں رہ رہے تھے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہا کرتے تھے اور مجھے میرے ربِ اعلیٰ نے بتلا دیا کہ ایک دن تو تُو ہمارے محمود کے قریب بھی نہ جا سکا تھا۔ حالانکہ اس وقت ان کو کوئی منصب بھی حاصل نہ تھا لیکن آج تم انہی میاں صاحب کی معیت میں اس کمرے میں دن رات رہتے ہو جس میں ہمارا برگزیدہ نبی اور رسول رہا کرتا تھا اور یہ انعام بھی تمہیں حاصل ہے کہ تمہارے سوا دوسرا اور کوئی بھی خدا کے مقدس خلیفہ کے پاس نہیں سوتا۔ اور تم کھانا بھی اس برگزیدہ شخص کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہو اور کئی نمازیں بھی اس کی اقتداء میں پڑھتے ہو اور کبھی وہ تمہاری اقتداء میں پڑھتے ہیں اور کئی بار تمہیں حضرت ام المؤمنینؓ کے اپنے ہاتھوں تیار کردہ کھانا ملتا ہے۔ یہاں تک تو حضرت میاں صاحب کی زیارت کی خواہش کے پورا ہونے کا ذکر ہوا۔ لیکن 1905ء میں علاوہ زیارت کرنے کے کشتی چلاتے دیکھنے کی خواہش بھی تھی۔ اب دیکھیں کہ میرے اس شوق کو میرا ربِّ اعلیٰ کس طرح پورا فرماتا ہے اسی سال یعنی 1919ء کے دوران جو میرے مستقل طور پر حاضر خدمت ہو جانے کا پہلا سال تھا۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے ربڑ کی ایک فولڈنگ کشتی جرمنی سے منگوا کر حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دی تھی۔

جب موسمِ برسات میں ڈھاب پانی سے خوب بھر گئی اور کشتی رانی کی دعوت دینے لگی تو ایک روز حضرت صاحب مجھے ساتھ لے کر ڈھاب پر گئے اور کشتی منگوا کر اپنے سامنے فِٹ کروائی اور پانی میں ڈلوادی۔ یہ چھوٹی سی خوبصورت کشتی صرف دو سواریوں کو اٹھانے کے لائق تھی۔ چنانچہ حضور پہلے خود سوار ہو گئے۔ دوسرا ساتھی حضور نے اس عاجز کو چُنا۔ حضور کا کئی ایک خدّام و عزیزوں کی موجودگی میں مجھے چننا اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ یہ تمام کاروبار میرے پرانے شوق کے پورا کرنے کے لئے تھا کہ "میاں صاحب کو کشتی چلاتے دیکھوں۔"

قدرتِ خداوندی کا نظارہ دیکھیں کہ اس نے اس عاجز کے چودہ سال پہلے کے شوق کو کس طرح پورا فرمایا۔ اوّل اس نے اپنے فضل سے مجھے ڈاکٹر بنایا پھر حضور کے قدموں میں لے آیا۔ پھر حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے دل میں ڈال کر جرمنی سے کشتی منگوائی اور حضور کو بطور تحفہ پیش کروائی۔ پھر ڈھاب کو پانی سے بھروا کر حضرت صاحب کے دل میں سیر کرنے کا شوق پیدا کیا۔ اور پھر حضور کے دل میں ڈالا کہ کشتی میں مجھے ہی ساتھ بٹھائیں۔ اب حضور چپّو چلانے لگے۔ اور کشتی ڈھاب میں تیز تیز پھرنے لگی۔ اس وقت میری آنکھیں تو حضور کو چپّو چلاتے اور ڈھاب کے پانی کو دیکھ رہی تھیں۔ مگر میرا دل اپنے ربِّ اعلیٰ کے شکر سے بھرا ہوا اس کی غریب نوازی اور قدرت نمائی کی سیر کر رہا تھا۔ اور سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ کہہ رہا تھا۔:.

(مرسلہ: عبدالشکور وثمینہ شکور)

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

"دینی علوم کی تحصیل کے لئے طفولیت کا زمانہ بہت ہی مناسب و موزوں ہے۔۔۔طفولیت کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔۔۔" (تقریر جلسه سالانه 1897ء)

"صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ بنائے تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہو گی اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہو گی کہ اس کو الباقیات الصالحات کا مصداق کہیں۔۔۔" (ملفوظات جلد2صفحه370ء)

"مجھے اپنی اولاد کے متعلق کبھی خواہش نہیں ہوئی کہ وہ بڑے بڑے دنیادار بنیں اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر مامور ہوں۔"

"حضرت داؤد علیہ السلام کا قول ہے "میں بچہ تھا۔ جوان ہوا بوڑھا ہو گیا۔ مَیں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو۔ اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا"۔۔۔ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت کرتا ہے۔ پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کیلئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دُعا کرو۔"

"میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دُعا نہیں کرتا۔" (ملفوظات جلد2صفحه372)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ کا مثالی جوڑا۔ جنت کا نمونہ

رانا عبدالرزاق خان، لندن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک الہام میں کہا گیا کہ '' تو مع اپنی زوجہ کے بہشت میں داخل ہو''۔ (ترجمہ تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 288) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا گھر اس بہشت کا ایک نمونہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اماں جان کی ازدواجی زندگی بہت خوش گوار اور پُر بہار تھی۔ باوجود عمر کے ظاہری تفاوت کے دونوں میاں بیوی کامل محبت اور یگانگت کا ایک بے نظیر نمونہ تھے۔ یہ ایک مثالی جوڑا تھا جن میں ہر قسم کی دوئی مٹ چکی تھی۔ اور ایسے ہو گئے تھے گویا ایک سینے میں دو دل دھڑک رہے ہیں۔ یہ اس لئے تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اماں جان کی بہت خاطر داری کرتے تھے آپ کے ماں باپ اور بھائیوں سے بھی حسن سلوک میں کمی نہیں کرتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف حضرت اماں جان بھی دل وجان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر فدا تھیں۔ آپ کے دعاوی پر پختہ اور غیر متزلزل ایمان رکھتی تھیں۔ اپنا سب کچھ آپ پر فدا کر دینے کے لئے تیار رہتی تھیں۔ اس طرح اس مقدس جوڑے کی باہمی محبت و یگانگت نے ایک ایسے گھرانے کو جنم دیا جو خدا کے فضلوں اور انعامات کا مورد بنا جن کے حق میں الٰہی نوشتے پورے ہوئے اور جن میں خدا نے اپنی روح ڈالی۔ اس طرح اس مقدس جوڑے کی بہشتی زندگی ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔ ہر جوڑے کے لئے ایک پیغام ہے۔ کہ ازدواجی زندگی کو خوشگوار کیسے بنایا جا سکتا ہے اور اس کے لئے کن اصولوں پر عمل ضروری ہے۔

خاطر داری اور ناز برداری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اماں جان کی بہت خاطر داری اور ناز برداری کرتے تھے۔ حضرت اماں جانؓ کے متعلق حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں۔ '' مجھے آپ کا سختی کرنا کبھی یاد نہیں۔ پھر بھی آپ کا ایک خاص رعب تھا۔ اور ہم بہ نسبت آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دنیا کے عام قاعدہ کیخلاف بہت زیادہ بے تکلف تھے۔ اور مجھے یاد ہے۔ کہ حضور اقدس کے حضرت اماں جان کی بے حد قدر و محبت کرنے کی وجہ سے آپ کی قدر میرے دل میں بھی بڑھا کرتی تھی۔ آپ باوجود اس کے کہ انتہائی خاطر داری اور ناز برداری آپ کی حضرت اقدس کو ملحوظ رہتی کبھی حضور کے مرتبہ کو نہ بھولتی تھیں۔ بے تکلفی میں بھی پختہ ایمان اور اس وجود مبارک کی پہچان آپ کے ہر انداز و کلام سے مترشح تھی۔ جو مجھے آج تک یاد ہے۔''

(روزنامہ الفضل لاہور 25 اپریل 1952 صفحہ 4)

برکتوں کا دور

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔'' حضرت اماں جان کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ان کی شادی خاص الٰہی تحریک کے ماتحت ہوئی تھی اور دوسرا امتیاز یہ حاصل ہے کہ یہ شادی 1884 میں ہوئی اور یہی وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ مجددیت کا اعلان فرمایا تھا۔ اور پھر سارے زمانہ ماموریت میں حضرت اماں جانؓ مرحومہ مغفورہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفیقہ حیات رہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام انہیں حد درجہ محبت اور انتہا درجہ شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان کی بے حد دلداری کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ زبردست احساس تھا کہ یہ شادی خدا کے خاص منشاء کے مطابق ہوئی ہے۔ اور یہ کہ حضور کی زندگی کے مبارک دور کے ساتھ حضرت اماں جانؓ کو خاص نسبت ہے۔ چنانچہ بعض اوقات حضرت اماں جانؓ بھی محبت اور ناز کے انداز میں حضرت مسیح موعود

علیہ السلام سے کہا کرتی تھیں۔ کہ میرے آنے کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں برکتوں کا دور شروع ہوا ہے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسکرا کر فرماتے تھے کہ ''ہاں یہ ٹھیک ہے'' دوسری طرف حضرت اماں جانؓ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کامل محبت اور کامل یگانگت کے مقام پر فائز تھیں اور گھر میں یوں نظر آتا تھا۔ کہ گویا دو سینوں میں ایک دل کام کر رہا ہے''۔

(سیرت طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 78-79)

بابرکت جوڑا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔'' اس زمانہ میں ایک جوڑا بابرکت ہوا۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے چنا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شادی سے پیشتر اس شادی کے بابرکت ہونے کی اطلاع الہام کے ذریعہ دی۔۔۔ یہ شادی ہی کی طرف اشارہ تھا اس میں بتایا گیا کہ جیسے آدم کے لئے جنت تھی اسی طرح تیرے لئے بھی جنت ہے۔ مگر اس حوا نے تو آدم کو جنت سے نکلوایا تھا لیکن یہ حوا جنت کا موجب ہوگی۔ مجھے خوب یاد ہے اس وقت تو برا محسوس ہوتا تھا۔ لیکن اب اپنے زائد علم کے ماتحت اس سے مزا آتا ہے اس وقت میری عمر بہت چھوٹی تھی مگر یہ خدا کا فضل تھا کہ باوجود یکہ لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ نہ تھی۔ جب سے ہوش سنبھالی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کامل یقین اور ایمان تھا اگر اس وقت والدہ صاحبہ کوئی حرکت کرتیں جو میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان شایان نہ ہوتی تو میں یہ نہ دیکھتا کہ ان کا میاں بیوی کا تعلق ہے اور میرا ان کا ماں بچہ کا تعلق ہے بلکہ میرے سامنے پیر اور مرید کا تعلق ہوتا حالانکہ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کچھ نہ مانگتا تھا والدہ صاحبہ ہی میری تمام ضروریات کا خیال رکھتی تھیں۔ باوجود اس کے والدہ صاحبہ کی طرف سے اگر کوئی بات ہوتی تو مجھے گراں گزرتی۔ مثلاً خدا کے کسی فضل کا ذکر ہوتا تو والدہ صاحبہ کہتیں میرے آنے پر ہی خدا کی یہ برکت نازل ہوئی ہے۔ اس قسم کا فقرہ میں نے والدہ صاحبہ کے منہ سے کم از کم سات آٹھ دفعہ سنا اور جب بھی سنتا گراں گزرتا۔ میں اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بے ادبی سمجھتا لیکن اب یہ درست معلوم ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اس فقرے سے لذت پاتے تھے۔ کیونکہ وہ برکت اسی الہام کے تحت ہوتی کہ۔۔۔ ایک آدم تو نکاح کے بعد جنت سے نکالا گیا تھا لیکن اس زمانہ کے آدم کے لئے نکاح جنت کا موجب بنایا گیا ہے۔ چنانچہ نکاح کے بعد ہی آپ کی ماموریت کا سلسلہ جاری ہوا۔ خدا تعالیٰ نے بڑی بڑی پیشگوئیاں کرائیں۔ اور آپ کے ذریعہ دنیا میں نور نازل کیا اور اسی طرح آپ کی جنت وسیع ہوتی چلی گئی۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آدم کے لئے جوڑا منتخب کیا گیا وہ صرف جسمانی لحاظ سے تھا۔ مگر اس آدم کے لئے جو چنا گیا یہ روحانی لحاظ سے بھی تھا۔ اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَلْارواحُ جنود مجندة۔ ارواح کو ایک دوسرے سے نسبت ہوتی ہے۔ جب ایسی ارواح مل جائیں تو ان کے جوڑے بابرکت ہوتے ہیں۔

(خطبات محمود جلد سوم صفحہ 245,246 خطبہ نکاح مرزا عزیز احمد صاحب)

گھر کی خدمت گار عورتوں کا بے ساختہ تبصرہ

شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب تحریر کرتے ہیں۔'' اس بات کو اندرون خانہ کی خدمت گار عورتیں جو عوام الناس سے ہیں اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلف یا تصنع کی زیرکی اور استنباطی قوت نہیں رکھتیں۔ بہت عمدہ محسوس کرتی ہیں۔ وہ تعجب سے دیکھتی ہیں اور زمان اور اپنے گردوپیش کے عام عرف اور برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی ہیں اور میں نے بارہا انہیں حیرت سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ''مرجا بیوی دی گل بڑی مندا ہے'' ایک دن خود حضرت صاحب فرماتے تھے کہ '' فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں'' اور فرمایا '' ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا اور یہ حقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے۔ اس کا شکر یہ ہے کہ عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب جلد 3 صفحہ 400)

مجازی معشوق

حضرت مفتی محمد صادق صاحب روایت کرتے ہیں۔'' حضرت مسیح موعودؑ حضرت اماں جان کا اس قدر اکرام و اعزاز کرتے تھے۔ آپ کی خاطر داری اس قدر ملحوظ رکھتے تھے کہ عورتوں میں اس بات کا چرچا رہتا تھا۔ جب میں لاہور میں ملازم تھا۔ 1897 یا اس کے قریب کا واقعہ ہے۔ لاہور کا ایک معزز خاندان قادیان آیا۔ ان میں سے بعض نے بیعت کی اور سب حسن عقیدت کے ساتھ واپس گئے واپسی پر اس خاندان کی ایک بڑھیا نے ایک مجلس میں ذکر کیا۔ کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کی کس قدر خاطر اور خدمت کرتے ہیں۔ اتفاقاً اس مجلس میں ایک

پرانے طرز کے صوفی بزرگ بھی بیٹھے تھے۔فرمانے لگے ہر سالک کا ایک معشوق مجازی بھی ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا معشوق ان کی بیوی ہے۔یہ خیال تو صوفی بزرگ کا تھا مگر اصل بات یہ ہے کہ حضرت اماں جان کا احترام ان خوبیوں اور نیکیوں کے سبب تھا جو ان میں پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کے باعث تھا جو ہمیشہ ان پر ہوتے رہے''۔

(سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی صفحہ 230,231)

ملکہ کی حکومت

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔'' حضرت مسیح موعود علیہ السلام یقیناً ایک خیر الناس وجود تھے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ آپ کا سلوک انتہائی درجہ پاکیزہ اور حسن واحسان کی خوبیوں سے معمور تھا۔یہ مضمون اس نوعیت کا ہے کہ اس پر قلم اٹھاتے ہوئے مجھے کسی قدر حجاب محسوس ہوتا ہے مگر میں اپنے ناظرین کو یقین دلاتا ہوں۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک بہترین خاوند اور بہترین باپ تھے۔اور گھر کے اس بہشتی ماحول اور اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی وجہ سے جماعت احمدیہ کی مستورات اپنے خانگی تنازعات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنا ایک زبردست سہارا اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک نہایت مضبوط ستون خیال کرتی تھیں۔کیونکہ انہیں یہ یقین تھا کہ ہماری ہر شکایت نہ صرف انصاف بلکہ رحمت واحسان کے جذبات کے ساتھ سنی جائے گی۔ مجھے وہ لطیفہ نہیں بھولتا جبکہ ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے عہد حکومت میں ایک دفعہ ایک معزز احمدی نے کسی خانگی بات میں ناراض ہو کر اپنی بیوی کو سخت سست کہا۔ بیوی بھی حساس تھیں وہ خفا ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر تک ہماری والدہ کے ذریعہ شکایت پہنچائی۔دوسری طرف وہ صاحب بھی غصہ میں جماعت احمدیہ کے ایک نہایت معزز فرد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے پاس آئے۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک اپنے حالات پہنچانے چاہے۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم کی طبیعت نہایت ذہین اور بامذاق تھی۔ان دوست کی بات سن کر کہنے لگے۔'' میاں تم جانتے نہیں کہ آج کل ملکہ کا راج ہے پس میرا مشورہ یہ ہے کہ چپکے سے اپنی بیوی کو منا کر گھر واپس لے جاؤ اور جھگڑے کو لمبا نہ کرو''۔چنانچہ ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور گھر کی ایک وقتی ناراضگی امن اور خوشی میں بدل گئی۔لطیفہ اس بات میں یہ تھا کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے جو یہ کہا کہ آج کل ملکہ کا راج ہے اس سے ان کی یہ مراد تھی کہ جہاں آج کل حکومت انگریزی کی باگ ڈور ایک ملکہ کے ہاتھ میں ہے وہاں جماعت احمدیہ کی روحانی بادشاہت میں بھی جہاں اس قسم کے خانگی امور کا تعلق ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے گھر والوں کی بات کو زیادہ وزن دیتے ہیں اور عورتوں کی ہمدردی اور ان کے حقوق کا آپ کو خاص خیال رہتا ہے''۔

(سلسلہ احمدیہ از مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ 212,213)

میاں بیوی کے جھگڑوں میں سے ایک جھگڑا

اس عنوان کے تحت سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ میں درج ہے۔سب سے پہلی چیز جو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا پیدا کرتی ہے وہ میاں کا یہ شعور ہے کہ اسے اپنی بیوی پر غیر معمولی حکومت حاصل ہے۔جس کی وجہ سے اسے حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس سے سلوک کرے۔اس شعور کے تحت اس قسم کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔کہ کھانے میں نمک کیوں تیز ہو گیا۔چاول سخت کیوں رہ گئے۔یہ برتن یہاں کیوں پڑا ہے۔الغرض چھوٹی چھوٹی باتیں مرد کو جوش میں لاتی ہیں۔ان ساری چیزوں کے پیچھے ایک چیز کام کرتی ہے۔اور وہ یہ کہ مرد کو گھر پر رعب رکھنا چاہیئے۔اور قطعاً اس بات کی پرواہ نہ کی جاتی کہ یہ میری غلام تو نہیں۔یہ دائرہ انسانی سے خارج تو نہیں۔مجھے کیا حق ہے کہ میں اس سے اس طرح بدسلوکی سے پیش آؤں۔مگر یہی حالت تھی کہ جس نے عام گھروں کی حالت بہت بری بنا رکھی تھی۔اور عورتیں مردوں کے ہاتھوں سخت نالاں تھیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے گھر میں اسلامی گھر کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا۔محترمہ استانی سکینۃ النساء بیگم صاحبہ جو مکرم قاضی اکمل صاحب کی حرم محترم ہیں اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔اور جن کو حضرت اقدسؑ کے گھر میں بہت قریب سے حالات دیکھنے کا موقع ملا ہے۔اپنی ایک روایت میں جو انہوں نے مجھے لکھ کر دی لکھا؛'' ایک دفعہ حضرت (اماں جان) فرماتی تھیں۔میں جب پہلے پہل دلی سے آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گڑ کے میٹھے چاول پسند فرماتے ہیں۔چنانچہ میں نے بہت شوق اور اہتمام سے میٹھے چاول پکانے کا انتظام کیا۔تھوڑے سے چاول منگوائے اور اس میں چار گنا گڑ ڈال دیا سو وہ بالکل راب بن گئی۔جب پتیلی چولھے سے اتاری اور چاول برتن میں نکالے تو دیکھ کر رنج اور صدمہ ہوا کہ یہ خراب ہو گئے۔ادھر کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔حیران تھی کہ اب کیا کروں اتنے میں حضرت صاحبؑ آ گئے۔میرے چہرہ کو دیکھا جو رنج اور صدمہ سے رونے والوں کا سا بنا ہوا تھا۔آپ دیکھ کر ہنسے اور فرمایا کیا چاول اچھے نہ پکنے کا

افسوس ہے؟۔ پھر فرمایا؛ نہیں! یہ تو بہت اچھے ہیں۔ میرے مذاق کے مطابق پکے ہیں۔ ایسے زیادہ گڑ والے ہی تو مجھے پسندیدہ ہیں۔ یہ تو بہت اچھے ہیں۔ اور پھر بہت خوش ہو کر کھائے۔ حضرت (اماں جان) فرماتی تھیں۔ کہ حضرت صاحب نے مجھے خوش کرنے کے لئے اتنی باتیں کیں کہ میرا دل خوش ہو گیا''۔

اس واقعہ سے سبق

یہ واقعہ ہمارے گھروں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے حضرت اماں جان دلی کی رہنے والی تھیں۔ وہاں گڑ کے چاولوں کا کوئی رواج نہیں تھا مگر حضرت اماں جان نے سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میرے شوہر کو کون سی چیز پسند ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت میں کیسی دور رسی تھی۔ ہر عقلمند اور سلیقہ شعار عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے میاں کے گھر میں جا کر پہلے یہ جاننے کی کوشش کرے کہ میرے میاں کی طبیعت کا کیا رنگ ہے وہ کون سے کھانے پسند کرتا ہے وہ کس کس چیز کو اور عادت کو پسند کرتا ہے جو بیوی نئے گھر میں آ کر شوہر کی پسند کی چیزوں کو معلوم کرنے کی کوشش کرے گی اس کی زندگی بحیثیت بیوی کے کامیاب ہو گی۔ اس واقعہ سے جہاں حضرت اماں جان کی طبیعت کا یہ رنگ معلوم ہوا وہاں حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت کا رنگ بھی معلوم ہوا۔ آپ نے کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ شور اور غل سے مکان سر پر نہیں اٹھایا جیسے مغلوب الغضب شوہر کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی نادم اور پریشان بیوی کو اپنی نیکی اور خوش خُلقی سے اور بھی موہ لیا''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ 225,226)

ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیئے

مئی 1893 میں ڈپٹی عبداللہ آتھم سے امرتسر میں مباحثہ تھا۔ ایک رات جبکہ خان محمد شاہ صاحب مرحوم کے مکان پر بہت بڑا مجمع تھا اطراف سے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ حضرتؑ اس روز سر درد سے بیمار تھے۔ شام کو مشتاقانِ زیارت ہمہ تن چشم انتظار بنے ہوئے تھے حضرتؑ مجمع میں تشریف لائے۔ منشی عبدالحق صاحب لاہوری پنشنر نے جو پہلے آپؑ سے بڑی محبت اور حسن ظنی رکھتے تھے۔ مگر بعد میں الگ ہو گئے۔ آپ سے آپ کی بیماری کی تکلیف پوچھی اور پھر کہا۔

'' آپ کا کام بہت نازک اور آپ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں اور ایک خاص مقوی غذا لازماً آپ کے لئے ہر روز تیار ہونی چاہیئے۔'' اس پر حضرت اقدس نے فرمایا؛

'' ہاں بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف ہوتی ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتیں۔ اس پر منشی عبدالحق صاحب نے کہا کہ؛'' اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رُعب پیدا نہیں کرتے۔ میرا یہ حال ہے کہ میں کھانے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ممکن ہے کہ میرا حکم کبھی ٹل جائے اور میرے کھانے کے اہتمام خاص میں سر مُو فرق آ جائے ورنہ ہم دوسری طرح خبر لے لیں۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے خیال کیا کہ یہ بات میرے محبوب آقا کے حق میں مفید ہے۔ اس لئے بغیر سوچے سمجھے اس کی تائید کر دی۔ حضرت اقدس نے حضرت مولانا کی طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا'' ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیئے''۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ 226,227)

شوہر کی خوشنودی کے لئے روٹی خود پکا کر بھیجنا

محترمہ استانی سکینۃ النساء صاحبہ اہلیہ قاضی اکمل صاحب لکھتی ہیں؛'' پہلے پہل تو مہمانوں کی روٹی بھی خود پکا کر باہر بھجواتی رہیں۔ پھر لنگر خانہ قائم ہو گیا تو خود نہ پکائی ہو گی اب بھی کئی بار میں نے دیکھا ہے کہ صحت کی حالت میں خود ہی چولھے کے آگے بیٹھ جانا اور ہانڈی پکانا، آٹا گوندھنا حالانکہ خدمت گاریں بھی پاس ہی بیٹھی ہوتی ہیں ایسی شاندار ہستی جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے وقار اور رعب کی خاتون کبھی باورچی خانے کی طرف جانا خلاف وقار و شان کے نامناسب بات جانتی ہو گی اور پھر آپ ہیں بھی تو ایک دہلی کے عالی وقار خاندان کی فرد آپ کا نورانی چہرہ ہی دیکھ کر تعجب میں ڈال دیتا ہے کہ ایسی باحوصلہ اور پُر وقار خاتون کھانا خود پکا رہی ہے۔ یہ سب کچھ عالی قدر شوہر محترم علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کے لئے گوارہ کیا تھا''۔

(سیرت سیدہ نصرت جہاں بیگم از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی صفحہ 392)

بے حد قدر و قیمت

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بیان فرماتی ہیں: ’’حضرت اماں جان کی بے حد قدر و قیمت آپ کی نظر میں تھی اور بہت زیادہ دلداری، بہت خیال حضرت اماں جان کا رکھتے تھے۔ اس کا نقش میرے دل پر اب تک ہے۔ مگر ایک بار میں نے دیکھا۔ کہ جب آپ نے ضروری سمجھا تو حضرت اماں جان کی تربیت بھی فرمائی۔ ایک واقعہ عرض ہے بس یہی ایک بات دیکھی اور کبھی نہیں اور خود حضرت اماں جان بھی تو ایک نمونہ تھیں ضرورت بھی پیش نہیں آئی کبھی بھی۔ صاف نظارہ یاد ہے نیچے کے کمرے کے سامنے کے سہ درے میں نانی اماں بیٹھی تھیں۔ کسی خادمہ نے ان کا کہنا نہ مانا اور کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے غلط فہمی پیدا ہو کر نانی اماں حضرت اماں جان سے ناراض ہو گئی تھیں اس وقت مجھے یاد ہے کہ حضرت اماں جان غصہ میں کہہ رہی تھیں کہ لڑکی (حضرت اماں جان کو نانی اماں لڑکی کہہ کر مخاطب ہوتی تھیں) آخر میری بیٹی ہی تو ہے۔ ہاں! میرے حضرت میرے سر کے تاج تو ہیں بے شک۔ وغیرہ وغیرہ۔ اتنے میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ حضرت اماں جان کو اپنے آگے آگے لئے چلے آرہے ہیں۔ اسطرح کہ حضرت اماں جان کے دونوں شانوں پر آپ کے دست مبارک ہیں۔ اور حضرت اماں جان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی ہیں۔ آپ خاموشی سے اسی طرح حضرت اماں جان کو لے کر آگے بڑھے اور اسی طرح حضرت اماں جان کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نانی اماں کے قدموں پر آپ کا سر جھکا دیا۔ پھر نانی اماں نے حضرت اماں جان کو اپنے ہاتھوں میں سنبھال لیا۔ شاید گلے بھی لگایا تھا۔ اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ کچھ سوچیں اس زمانہ کی اولادیں! اکثریت وہ ہوگی جن کو ماؤں کی قدر نہیں۔ احمدی بچیو اور بہنو یہ نقشہ جو میں نے دیکھا اور یاد رہا اس کو ذرا اپنی چشم تصور میں لاؤ کہ وہ شاہِ دین اپنی خدا تعالیٰ کی جانب سے لقب پائے ہوئے بیوی اماں جان کو جس کی ہر وقت خاطر آپ کو مطلوب تھی اور جس کی عزت بہت زیادہ آپ کے دل میں تھی اس کی والدہ کی معمولی ناراضگی سن کر برداشت نہ فرما سکا۔ اور خود لا کر اس کی ماں کے قدموں میں جھکا دیا۔ گویا یہ سمجھایا کہ تمہارا رتبہ بڑا ہے مگر یہ ماں ہے۔ تمہارے لئے بھی اس کے قدموں تلے جنت ہے

(تحریرات مبارکہ صفحہ 214,215)

(از بہشتی زندگی شائع کردہ خدام الاحمدیہ پاکستان)

ہدیہ ءنعت

صادق باجوہ

وہ طیّب و امین و مُطَہّر خدا نُما
اس جیسا اور کوئی بھی نہ دوسرا ہوا

تخلیقِ کائنات بھی اس کیلئے ہوئی
لولاکَ ما خَلَقْتَ کا مصداق جو ہوا

محبوبِ کبریاہے وہ محبوبِ دو جہاں
ذکر و ثنا میں جس کی ملائک ہیں برملا

شفقت سراپا بن گیا، مُحسِن، رحیم بھی
جس کو خدا نے رحمۃً للعالمیں کہا

عفوِ عظیم میں ہوا بے مثل بے نظیر
فیضانِ عام سے نہیں باہر کوئی رہا

اعدا کو اپنی جاں کی اماں بھی یہیں ملی
تھا دشمنانِ جاں پہ بھی شفقت کا در کھلا

انسانیت کے سر سے غلامی اُتار دی
انساں کو درسِ حرّیت جس نے عطا کیا

منشور بھی عطا کیا دنیا کو امن کا
ہر طبقہء حیات پہ احسان کر دیا

دنیا و دیں میں جس کا مثالی مقام ہے
’’میثاق‘‘ اس کا عالمی دستور بن گیا

اس پر سلام و رحمت و صدہا درود ہوں
خلقِ خدا کو جس نے خدا سے ملا دیا

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے منظوم کلام پر ایک نظر

دوسری قسط

لطف الرحمٰن محمود

محبتِ الٰہی اور شہادتِ توحید

ہر الہامی مذہب میں خدا تعالیٰ کے وجود کا تصور اور توحید کا عقیدہ بنیاد اور محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ دین کا سب سے بڑا مقصد و مُدّعا خالق و مالک کی معرفت اور اس کی عبادت نیز اس سے وصال کی تمنا ہے۔ حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ کے اشعار میں یہ عناصر نمایاں طور پر موجود ہیں۔ چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

وادیٔ سینا میں طُور پر اللہ تعالیٰ کے حُسن کو جہراً دیکھنے کا موسوی مطالبہ مذہبی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ مفسرین، اور صوفیاء کے علاوہ شعراء نے بھی اسے موضوعِ سخن بنایا ہے۔ حضورؓ کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:

دل چاہتا ہے طُور کا وہ لالہ زار ہو
اور آسماں پہ جلوہ کُناں میرا یار ہو

اک دفعہ دیکھ چکے موسیٰ تو پردہ کیسا
اُن سے کہہ دو کہ اب وہ چہرہ کو عُریاں کردیں

مالکِ حقیقی کے سامنے اُس کے عشاق محبت، شکر اور عبادت کے سجدے بجالاتے ہیں۔ مگر حضورؓ اس شعر میں سجدے کو ایک قسم کی ''تاج پوشی'' یعنی عظیم ترین عزت افزائی قرار دیتے ہیں ؎

سجدہ کا اِذن دے کے مجھے تاجور کیا
پاؤں ترے کہاں مرا ناچیز سَر کہاں

منازلِ سلوک اور عشق کے راز و نیاز پر اربابِ تصوف نے بہت کچھ لکھا ہے۔ حضورؓ کے تجربوں کا نچوڑ ملاحظہ فرمائیے ؎

میں بڑھا اک گز تو وہ سو گز بڑھے میری طرف
کام مشکل تھا مگر اس طرح آساں ہوگیا

ایک دوسرے شعر میں یہی مضمون ایک اور رنگ میں بیان فرماتے ہیں ؎

تیری نگاہِ لطف اُتارے گی مجھ کو پار
کٹتے ہیں مجھ سے عشق کے یہ بحر وبرّ کہاں

مقاماتِ مُقدّسہ اور شعائر اللہ کی زیارت سے دلِ مومن، محبت کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ حضورؓ 1912ء میں حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضورؓ نے اپنے جذبات کا اظہار نظم میں بھی فرمایا۔ درج ذیل اشعار پر غور فرمائیے ؎

دوڑے جاتے ہیں بأمّید تمنا سُوئے باب
شاید آجائے نظر رُوئے دل آراء بے نقاب
میری خواہش ہے کہ دیکھوں اس مقام پاک کو
جس جگہ نازل ہوئی مولیٰ تری اُمّ الکتاب

سفرِ حج کے تقریباً 37 سال بعد، پاکستان میں نئے مرکز، دار الہجرت ربوہ کے قیام کے بعد، اللہ تعالیٰ سے کس پُرسوز عاشقانہ انداز میں عرض کرتے ہیں ؎

آ آ کہ تری راہ میں ہم آنکھیں بچھائیں
آ آ کہ تجھے سینہ سے ہم اپنے لگائیں

نظم میں آپ کا قلبِ صافی قیامِ توحید اور غلبہءِ اسلام کے مقصد کی طرف منعطف ہوجاتا ہے اور درج ذیل الفاظ آپ کے لب پر آجاتے ہیں ؎

جس شان سے آپ آئے تھے مکّہ میں مری جاں
اِک بار اُسی شان سے ربوہ میں بھی آئیں

دائمی مرکز توحید، بیت اللہ کی دعاؤں اور برکتوں کا ربوہ تک پہنچنے کی آرزو کو عشقِ توحید کی معراج قرار دیا جاسکتا ہے ؎

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دُعا گو　　کعبہ کو پہنچتی رہیں ربوہ کی دُعائیں

کلمہ توحید کے موضوع پر حضورؓ کی ایک مشہور نظم ہے جس کا مطلع ہے ؎

ہے دستِ قبلہ نما لَآ اِلٰـــــہَ اِلَّـــا اللہ
ہے دردِ دل کی دوا لَآ اِلٰـــــہَ اِلَّـــا اللہ

یہ نظم 1920ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے بھی اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی نظم کا عنوان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔ جس کا مطلع ہے ؎

خُودی کا سرِّ نہاں لَآ اِلٰـــــہَ اِلَّـــا اللہ
خودی ہے تیغ، فِساں لَآ اِلٰـــہَ اِلَّـــا اللہ

یہ نظم اُن کے مجموعہ کلام ''ضربِ کلیم'' کا حصہ ہے جو 1936ء میں طبع ہوئی۔ اکنافِ عالم میں توحید کی تبلیغ واشاعت حضورؓ کا محبوب مشن ہے۔ 1924ء میں لندن میں پٹنی کے علاقے میں جماعت احمدیہ کو مسجد تعمیر کرنے کی توفیق ملی۔ اس کی تعمیر سے دو تین سال قبل، اس منصوبے کی تحریک کے حوالے سے ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎

وہ شہر جو کُفر کا ہے مرکز، ہے جس پہ دینِ مسیح نازاں
خُدائے واحد کے نام پر اِک اَب اس میں مسجد بنائیں گے ہم

اس مسجد کی تعمیر کے بعد، جماعتِ احمدیہ کو برطانیہ اور یورپ کے کئی اور ممالک میں مساجد تعمیر کرنے کی توفیق ملی ہے۔ لندن ہی میں بیت الفتوح مسجد، یورپ کی موجودہ مساجد میں سب سے بڑی مسجد ہے۔

قبولیتِ دُعا، انسانی ضرورت ہی نہیں، رحمتِ الٰہیہ کی ایک محبت انگیز تجلی اور ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت ہے۔ توکل علی اللہ، یقینِ کامل سے آراستہ اس میدان کا تجربہ کار شہسوار ہی کہہ سکتا ہے ؎

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے　　اے مرے فلسفیو! زورِ دُعا دیکھو تو

حضرت مصلح موعودؓ کو نہ حکومت کی تمنا ہے نہ سلطنت کی آرزو۔ نہ ہی دنیاوی عزت ووجاہت اور شہرت کے طالب ہیں۔ حضورؓ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا داعی ہونا ہی سب سے بڑا اعزاز ہے ؎

نہ سلطنت کی تمنا نہ خواہشِ اِکرام　　یہی ہے کافی کہ مولیٰ کا اِک نقیب ہوں میں

حضورؓ اس راز سے واقف ہیں ؎

ابدال کیا، اقطاب کیا، جبریل کیا، میکال کیا
جب تو خدا کا ہوگیا سب ہوگئے زیرِ نگیں

حضورؓ نے جس خدا کا تجربہ کیا ہے اور جس خدا کو پیش کرتے ہیں وہ رحمتِ مجسّم ہے۔ حشر کے دن کے حوالے سے محاسبہ اعمال کی ایسی محبت انگیز تشریح میں نے آج تک نہیں سُنی ؎

بڑھا کے نیکیاں میری، خطائیں کر کے معاف
وہ اس ظہورِ کرم کو حساب کہتے ہیں!

عشقِ رسولِ کریم ﷺ

محبتِ الٰہی کے بعد، اسلام کی حقانیت پر یقین کامل ہونے اور اسوۂ رسول ﷺ پر عمل درآمد کے لئے عشقِ رسولؐ دوسری بنیادی ضرورت ہے۔ عشقِ رسولؐ حضورؓ کیلئے قال نہیں حال ہے۔ یہ نعمت حضورؓ کو شیرِ مادر اور آغوشِ پدر سے ودیعت ہوئی۔ یہ ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں صاحبزادہ صاحب کی جو آخری نظم (حضرت اقدسؑ کی وفات سے تقریباً تین ماہ قبل شائع ہوئی) ایک نعت ہے۔ جس کے چالیس اشعار ہیں۔ اس نعت کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ؎

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے　　کہ وہ کُوئے صنم کا رہنما ہے
میرا ہر ذرّہ ہو قربانِ احمدؐ　　میرے دل کا یہی اِک مدّعا ہے

1918ء کی اور نعت میں گویا حضورؓ مجسّم درود وسلام میں ڈھل جاتے ہیں ؎

محمدؐ عربی کی ہو آل میں برکت
ہو اس کے حُسن و جمال میں برکت
ہو اس کی قدر میں برکت کمال میں برکت
ہو اُس کی شان میں برکت، جلال میں برکت

قرآنِ مجید کی دو آیات میں مذکور کیفیات کو کس خُوبی سے اس شعر میں سمو کر حضرت

نبی کریم ﷺ کی عظمت کا پرچم بلند کرتے ہیں ۔

کہا تھا طُور پر موسیٰؑ کو اس نے لن ترانی پر
محمدؐ پر ہوا جلوہ تدلّٰی کا عنایت سے

سورۃ الاعراف کی آیت 144 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "لَنْ تَرَانِیْ" کی خبردی گئی۔ مگر معراج مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے قرآن کریم کی سورۃ النجم کی آیت 9 (ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی) میں راز و نیاز کی ایک مختلف کہانی بیان کی گئی ہے ۔ ع

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر!!

معراج کے حوالے سے حضورؓ کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیے ۔

فرش سے جا کر لیا دم عرش پر مصطفیٰؐ کی سیرِ رُوحانی تو دیکھ

حضورؓ کی ایک نعت کا عنوان ہے۔ "خطاب بہ رسول کریم ﷺ" اس نعت کے درج ذیل اشعار پر غور فرمائیے۔ بے ساختگی اور وارفتگی اس کی نمایاں خصوصیات ہیں ۔

اے شاہِ معالی آ بھی جا اے ضَوءِ لَآلِیْ آ بھی جا
اے شاہِ جلالی آ بھی جا اے رُوحِ جمالی آ بھی جا
تو میرے دل میں، دل تجھ میں قصدی وَ مَنَالِیْ آ بھی جا

حضرت نبی کریم ﷺ کے پاک اور مطہر دل میں انسانوں کی ہمدردی اور محبت کا تقاضا تھا کہ حضورؐ ان کی ہدایت کے لئے بےچین اور مضطرب رہتے تھے۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیت اس کی گواہ ہے:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (سورۃ الشعراء آیت 4)

حضرت مصلح موعودؓ کا یہ شعر اسی آیت کی ترجمانی کرتا ہے ۔

کس قدر صدمے اُٹھائے ہیں ہمارے واسطے
قلبِ پاکِ رحمۃ للعالمینؐ سے پوچھیے

چونکہ فخرِ موجودات حضرت نبی کریم ﷺ کا ظہور کائنات کے اس کُرۂ ارضی پر ہوا۔ لہٰذا حضورؓ اس شرف کی وجہ سے اس زمین کو نو آسمانوں سے بھی بہتر و برتر قرار دیتے ہیں ۔

اس پر ہوئے ظاہر محمد مصطفیٰؐ حِبُّ الْوَرٰی
بالا ہے نُہ افلاک سے کرّوبیو! میری زمیں

پھر اس عاشقِ صادق کی اس دلی آرزو کو بھی پیشِ نظر رکھیے ۔

کروڑ جاں ہو تو کر دُوں فدا محمدؐ پر کہ اُس کے لطف و عنایات کا شُمار نہیں

قرآن کریم کی محبت

قرآن کریم آخری الہامی کتاب ہے۔ "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" اس کا منصب ہے۔ "فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ" اس کی شان ہے۔ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" میں اللہ تعالیٰ نے اس کلامِ پاک کے متن اور معانی کی حفاظت کی ضمانت دی ہے جو صرف اس کتابِ مقدّس کی خصوصیت ہے۔

ایک سچے مسلمان کو قرآن کریم سے دلی پیار ہوتا ہے۔ وہ اس کی تلاوت کرتا ہے۔ اس کے معانی اور مطالب پر غور کرتا ہے۔ اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اُسے پڑھتا اور پڑھاتا نیز سُنتا اور سُناتا ہے۔ بعض خوش قسمت اُسے حفظ کرتے ہیں۔ غرض قرآن کریم کی محبت اور خدمت اور اس سے استفادہ کے کئی پہلو ہیں۔

عاجز یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ مختلف زبانوں میں حمد۔ نعت۔ مرثیہ۔ منقبت وغیرہ اصناف کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ لیکن قرآن کریم کے اوصافِ حمیدہ اور فضائل کا منظومات میں ذکر حضرت مسیح موعودؑ بانی سلسلہ احمدیہ کی علمی اور ادبی خصوصیات کا حصہ ہے پھر اس خصوصیت کو حضورؑ کے خلفاء اور جماعت کے شعراء نے اپنایا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے منظوم کلام سے چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں ۔

گنہگاروں کے دردِ دل کی بس اِک قرآن ہی دوا ہے
یہی ہے خضرِ رہِ طریقت، یہی ہے ساغر جو حق نُما ہے
تمام دُنیا میں تھا اندھیرا کیا تھا ظُلمت نے یاں بسیرا
ہوا ہے جس سے جہان روشن وہ معرفت کا یہی دِیا ہے

حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی یہ نظم، حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں، فروری 1907ء میں شائع ہوئی۔ اس کے آخری پانچ اشعار جن میں، حضرت اقدسؑ سے دُعا کی درخواست کی گئی ہے، میں سے دو شعر بھی بطور مثال پیشِ خدمت ہیں ۔

خُدا سے میری یہ کر شفاعت کہ علم و نُور و ہدیٰ کی دولت
مجھے بھی اب وہ کرے عنایت' یہی مری اُس سے التجا ہے
رہِ خُدا میں ہی جاں فدا ہو' دل عشقِ احمدؐ میں مُبتلا ہو
اسی پہ ہی میرا خاتمہ ہو' یہی مرے دل کا مُدّعا ہے

اُس وقت صاحبزادہ صاحب کی عُمر تقریباً 20 سال تھی۔ اس عمر کے نوجوانوں کے جذبات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ہم سب اس دَور سے گُزرے ہیں۔ عشقِ رسولؐ تقویٰ اور محبتِ قرآن' آپ کی رُوح کی پاکیزگی کا ثبوت ہے!
حضرت سیّدہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے ختمِ قرآن پر'' آمین'' کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس طویل نظم کے اشعار میں قرآن مجید کی محبت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ شعر تو اس پاک جذبے کی معراج ہے ؎

ہمیں حاصل ہے اس سے دیدِ جاناں
کہ قرآں مظہرِ شانِ خُدا ہے

اس'' آمین'' کے آخری بند میں' حضورؓ حضرت مسیح موعودؑ کی مبشر اولاد کی طرف سے درج ذیل الفاظ میں ربّ کریم سے دعا کرتے ہیں ؎

بنیں ہم بُلبلِ بُستانِ احمدؐ — رہے برکت ہمارے آشیاں میں
ہماری بات میں برکت ہو ایسی — کہ ڈالے رُوح مردہ استخواں میں
بنیں ہم سب کے سب خُدّامِ احمدؐ — کلام اللہ پھیلائیں جہاں میں

چھوٹی بحر میں حضورؓ کی ایک اور نہایت ہی اثر انگیز نظم ہے۔ قرآن کریم کے علوم و معارف عام ہونے کے حوالے سے حضورؓ کی دلی تمنا ملاحظہ کیجیے ؎

پانی کر دے علومِ قرآں کو — گاؤں گاؤں میں ایک رازیؒ بخش

عرض ہے کہ حضرت امام فخر الدین رازیؒ اُمّتِ مسلمہ کے ایک مقبول و مشہور مفسر قرآن گزرے ہیں۔ حضورؓ بھی اُن کے مدّاح ہیں۔ محبتِ قرآن کا تقاضا ہے کہ حاملِ قرآنؐ کی اُمّت کے لئے بلند کردار اُمّتیوں کی کثرت کی دُعا کی جائے۔ حضورؓ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں ؎

سیّدالانبیاءؐ کی اُمّت کو — جو ہوں غازی بھی وہ نمازی بخش

دیکھا گیا ہے کہ بہت سے مُسلمان' قرآن مجید کے مطالعہ کی بجائے دوسرے اذکار' اوراد اور وظیفوں کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں۔ حضورؓ نے اس افسوسناک روش پر دلی قلق کا اظہار فرمایا ہے ؎

ہے گنجِ عرش ہاتھ میں' قرآن طاق پر
مِینا کے ہورہے ہیں وہ میخانہ چھوڑ کر

'' گنجِ عرش'' سے'' دعائے گنجِ العرش'' کی طرف اشارہ ہے جو اسی قسم کے '' وظائف اور اوراد پر مشتمل ایک دُعا ہے۔
حضرت مسیح موعودؑ کے آٹھ پوتے پوتیوں کی آمین کی اجتماعی تقریب 1931ء میں منعقد ہوئی۔ حضورؓ نے اس تقریب کے لئے ایک طویل'' آمین'' رقم فرمائی۔ قرآن کریم کی نعمتِ عظمیٰ کے حوالے سے اس کے چند شعر ملاحظہ فرمایئے ؎

یہ نعمت سارے انعاموں کی جاں ہے — جو سچ پوچھو یہی باغِ جناں ہے
ملی ہے ہم کو یہ فضل خدا سے — حبیبِ پاک حضرت مصطفےٰؐ سے
شہِ لولاکؐ یہ نعمت نہ پاتے — تو اس دُنیا سے ہم اندھے ہی جاتے
خُدا ہی تھا کہ جس نے دی یہ نعمت — محمدؐ ہی تھے جو لائے یہ خِلعت
پس اے میرے عزیزو میرے بچو! — دل و جاں سے اسے محبوب رکھو

امامِ الزمان علیہ السلام سے عقیدت

حضرت نبی کریم ﷺ نے امتِ محمدیہ کی اصلاح' تجدید' اور اختلافی مسائل میں تحکیم کی خدمت سرانجام دینے والے مہدی اور مسیح موعودؑ کی بعثت کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ اس پیشگوئی کا ظہور اور پیغام کی اشاعت انیسویں اور بیسویں صدی کا سب سے اہم واقعہ ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی اکثریت اس امام کی شناخت سے محروم رہی کیونکہ لوگ ایسے'' امام الزمان'' کے منتظر تھے جس کی فوج کی تلواروں سے خون ٹپک رہا ہو۔ اور جو دنیا بھر کے غیر مسلم حکمرانوں کے اموال اور خزانے'' مسلمانوں میں تقسیم کرکے انہیں'''' کروڑ پتی'' بنادے۔ قادیان میں نازل ہونے والا مسیح و مہدی چونکہ اُن کی توقعات پر پُورا نہیں اترا' اس لئے خواص وعوام نے قبول کرنے سے انکار کر دیا!!

حضرت نبی کریم ﷺ نے اس جلیل القدر امام کی شناخت اور اس کی بیعت کرنے کے لئے اگر برف پوش پہاڑوں کی چوٹیوں سے گھٹنوں کے بل گھسیٹ کر بھی جانا پڑے تو ایسا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنا سلام بھی اس امام کو پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ حضورؐ کی طرف سے سلامتی کے اس تحفے میں یہ پیغام مخفی تھا کہ افرادِ اُمّت بھی، اطاعت اور تعاون کے ذریعے اس کے لئے امن اور سلامتی کا ماحول پیدا کریں۔ افسوس کہ تاریخ نے مسیح اوّل کے عہد کی کہانی دُہرادی!!

مگر اُمّت کے نیک وجودوں اور سعید روحوں کو امامِ وقت کی شناخت کی توفیق ملی۔ تابعین اور اُن کی نسلیں اس نعمت سے وابستہ برکتوں اور فضلوں کو سمیٹ رہی ہیں۔ تُو رِہدایت کے مخالفین اور معاندین کی بھی کمی نہیں۔ یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے!! حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شخصیت اور سیرت پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس میں حضرت اقدسؑ سے محبت و عقیدت کے بہت سے واقعات محفوظ ہو چکے ہیں۔ لیکن عاجز یہاں حضورؓ کے اشعار سے اس کی چند مثالیں پیش کرنا چاہتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے 1907ء میں یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں حضور ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ رقم کیا جو 47 اشعار پر مشتمل ہے اس قصیدہ کا مطلع ہے ؎

وہ قصیدہ میں کروں وصفِ مسیحا میں رقم
فخر سمجھیں جسے لکھنا بھی مرے دست و قلم

اس قصیدے سے درج ذیل اشعار کا انتخاب پیش ہے ؎

دیکھ کر تیرے نشانات کو اے مہدیٔ وقت
آج انگشت بدندان ہے سارا عالم
اپنے وعدے کے مطابق تجھے بھیجا اُس نے
اُمّتِ خیرِ رسلؐ پر ہے کیا اُس نے کرم
تیری سچائی کا دنیا میں بجے گا ڈنکا
بادشاہوں کے ترے سامنے ہوں گے سرخم

1907ء کی ایک اور طویل نظم سے چند اشعار پیش ہیں ؎

یہ وقت وقتِ حضرتِ عیسیٰ ہے دوستو
جو نائبِ خُدا ہیں جو ہیں مہدیٔ زماں
ہو کر غلام احمدِ مُرسل کے آئے ہیں
قربان جن کے نام پہ ہوتے ہیں انس و جاں

1907ء ہی کی ایک اور نظم کے یہ دو شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

فدا تجھ پر مسیحا مری جاں ہے — کہ تو ہم بے کسوں کا پاسباں ہے
دیا ہے رہنما بڑھ کر خضر سے — خُدا بھی ہم پہ کیسا مہرباں ہے

1908ء کی ایک نظم سے انتخاب ؎

نائبِ خیر الرسلؐ ہو کر کرے گا کام یہ
وارثِ تختِ محمدؐ میرزا ہوجائے گا
اس کی باتوں سے ہی ٹوٹے گا یہ دجّالی طلسم
اس کا ہر ہر لفظ موسیٰؑ کا عصا ہوجائے گا

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد حضورؓ کی یاد میں 1909ء کی ایک نظم سے ؎

وہ نکاتِ معرفت بتلائے کون — جامِ وصلِ دلرُبا پلوائے کون
ڈھونڈتی ہے جلوۂ جاناں کو آنکھ — چاند سا چہرہ ہمیں دکھلائے کون

1913ء کی ایک نظم میں حضرت صاحبزادہ صاحب، حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مخاطب ہیں ؎

اے چشمۂ علم و ہُدیٰ اے صاحبِ فہم و ذکاء
اے نیک دل اے باصفا اے پاک طینت باحیا
اے مقتدا اے پیشوا اے میرزا اے رہنما
اے مجتبیٰ اے مصطفیٰ اے نائب ربّ الوریٰ
کچھ یاد تو کیجیے ذرا ہم سے کوئی اقرار ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعاوی کو سمجھنے کی کلید، حضور علیہ السلام کا عشقِ محمدیؐ میں فنا فی الرسولؐ کا مقام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت نبی کریم ﷺ کے اُمّتی ہیں۔ آپ کی مسیحیت، مہدویت، مجدّدیت، اور ظلی و بروزی نبوت، غرض سب مدارج رسالتِ محمدیہؐ کا فیضان ہیں۔ اس کلید کی روشنی میں حضرت مصلح موعودؓ کے ان دو اشعار پر غور فرمائیے ؎

کہاں مانی و بہزاد دیکھیں فنِّ احمدؑ کو
دکھایا کیسی خُوبی سے مثیلِ مصطفیٰؐ ہو کر

شاگرد نے جو پایا، اُستاد کی دولت ہے
احمدؑ کو محمدؐ سے تُم کیسے جُدا سمجھے

(جاری ہے)

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام خدا کے صرف ایک رسول تھے

آپ کی رسالت کا دائرہ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا

مظفر احمد دُرّانی مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ ربوہ

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام خدا کے ایک مبارک اور وجیہہ رسول تھے اس سے بڑھ کر انہیں خدا یا خدا کا بیٹا قرار دینا ایک غلطی ہے۔ ہم آپ کو خدا کا سچا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس بات کو بارہا خوب کھول کر بیان کیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ایک رسول تھے۔ (النساء: 172، سورۃ المائدہ: 76، سورۃ الصف: 7)

بائبل میں ہزار تبدیلیوں کے باوجود حضرت یسوع مسیحؑ کی رسالت کا بیان جگہ جگہ موجود ہے جس سے کوئی بھی عیسائی دوست انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح انجیل نے قرآن کریم کے اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ آپ صرف خدا کے ایک رسول تھے۔ حضرت یسوع مسیحؑ نے کہیں بھی اور کبھی بھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا، اس کے مقابل پر آج آپ مطالعہ کریں گے کہ آپ نے بار بار مختلف مواقع پر اپنی رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

1۔ ''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔'' (یوحنا باب 17 آیت 3)

2۔ ''یسوع نے ان سے کہا اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت رکھتے اس لئے کہ میں خدا میں سے نکلا اور آیا ہوں کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا بلکہ اس نے مجھے بھیجا۔ (یوحنا باب 8 آیت 42)

3۔ ''جو مجھ سے محبت نہیں رکھتا وہ میرے کلام پر عمل نہیں کرتا اور جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا۔'' (یوحنا باب 14 آیت 24)

4۔ ''کیونکہ جو کلام تو نے مجھے پہنچایا وہ میں نے ان کو پہنچا دیا اور انہوں نے اس کو قبول کیا اور سچ جان لیا کہ میں تیری طرف سے نکلا ہوں اور وہ ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا۔'' (یوحنا باب 17 آیت 8)

5۔ ''تا کہ وہ سب ایک ہوں یعنی جس طرح اے باپ! تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں اور دنیا ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا۔'' (یوحنا باب 17 آیت 21)

6۔ ''میں اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا، جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے؛ کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں۔''

(یوحنا باب 4 آیت 34، یوحنا باب 5 آیت 30، باب 6 آیت 38)

7۔ ''جو تم کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے۔'' (متی باب 10 آیت 40)

8۔ ''جو کوئی میرے نام میں سے ایسے بچوں کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے وہ مجھے نہیں بلکہ اسے جس نے مجھے بھیجا ہے قبول کرتا ہے۔'' (مرقس باب 9 آیت 37)

9۔ ''جو تمہاری سنتا ہے وہ میری سنتا ہے اور جو تمہیں نہیں مانتا وہ مجھے نہیں مانتا اور جو مجھے نہیں مانتا وہ میرے بھیجنے والے کو نہیں مانتا۔'' (لوقا باب 10 آیت 16)

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ اناجیل تو یسوع مسیح کے رسول ہونے کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ اختصار پیش نظر ہے اس لئے چاروں اناجیل سے مثال کے طور پر حوالہ جات درج کر دیئے ہیں۔ ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ بھیجنے والا خدا، اور وجود ہے اور بھیجا ہوا (رسول) یعنی یسوع مسیح اور وجود ہے۔ خدا تعالیٰ نے یسوع مسیح کو بطور رسول دنیا میں بھیجا تھا تا بنی اسرائیل کی اصلاح کریں۔ خدا کو باپ کہنے اور انسانوں کو خدا کے بیٹے کہنے کا محاورہ محبت و پیار کے اظہار کے لئے اصطلاحی اور مجازی کلام ہے۔

یسوع مسیحؑ صرف بنی اسرائیل کے رسول تھے

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام خدا تعالیٰ کے ایک رسول تھے، ان کو خدا یا خدا کا جسمانی بیٹا قرار دینا غلط، بے دلیل اور قرآن

کریم کی رو سے کفر ہے۔اب خاکسار یہ ثابت کرے گا کہ آپ صرف بنی اسرائیل کے معلم،رسول اور نجات دہندہ تھے۔ہم آپ کو اللہ کا رسول تو مانتے ہیں کیونکہ تمام رسولوں پر ایمان لانا ہمارا جزو ایمان ہے مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ صرف بنی اسرائیل کی طرف بھجوائے گئے رسول تھے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:رسولاً الیٰ بنی اسرآئیل کہ آپ صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ (سورۃ آل عمران آیت 50)اسی طرح قرآن کریم نے آپ کے منصب کو آپ کی اپنی زبان کے الفاظ سے بھی محفوظ فرمایا ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں لکھا ہے: واذ قال عیسَی ابنُ مریم یٰبنی اسرآئیل انی رسول اللّٰہ الیکم ـــ۔کہ اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریمؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل !یقیناً میں صرف تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (سورۃ الصف آیت 7)

قرآن کریم کے اس واضح اعلان کے بعد جب ہم اناجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو بعینہ یہی تعلیم یسوع مسیح علیہ السلام کی زبان سے وہاں درج پاتے ہیں اور خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تصدیق کے کیسے کیسے سامان پیدا فرمائے ہیں جس سے صحیح تعلیمات نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔چنانچہ لکھا ہے:

1۔''اُس نے جواب میں کہا: میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''(متی باب 15 آیت 24)

2۔جب ایک غیر اسرائیلی عورت نے یسوع مسیح سے برکت چاہی تو آپ نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اسے یوں سخت الفاظ سے ڈانٹ دیا کہ''لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔''(متی باب 15 آیت 26) (اگر چہ یہ بھی صحیح ہے کہ کتا پیچھا نہ چھوڑے تو اسے ہڈی ڈالنی ہی پڑتی ہے)اس آیت میں یسوع مسیح نے بنی اسرائیل کو تو (خدا کے)لڑکے اور باقی اقوام کے لوگوں کو کتے قرار دیا ہے۔

3۔حضرت یسوع مسیح ؑ نے اپنے بارہ شاگردوں کو تعلیم دے کر تیار کیا جن کے اسماء متی کی انجیل کے باب 10 کی آیت 2 تا 4 میں درج ہیں،انہیں میدان عمل اور تبلیغی مہم پر بھجوانے سے قبل ضروری ہدایات واحکامات دیتے ہوئے فرمایا:

''ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دیکر کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔'' (متی باب 10آیت 5 تا 6)

مذکورہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ یسوع مسیح کو اپنی رسالت کی حدود معلوم تھیں اور یہی احکامات انہوں نے اپنے حواریوں کو دیئے کہ غیر قوموں کو تبلیغ مت کریں بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لوگوں کو تعلیم و تربیت دیں۔

لیکن بعض عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ جب وہ پیغام اسرائیل کے لوگوں کو پہنچ چکا ہے تو کیوں نہ دوسرے لوگوں کو بھی تبلیغ کی جائے۔یہ خیال بالکل غلط اور یسوع مسیح علیہ السلام کی تعلیم اور پیشگوئی کے خلاف ہے۔کیونکہ آپ نے فرمایا تھا:''لیکن جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چکو گے کہ ابن آدم آجائے گا۔'' (متی باب 10آیت 23)

آپ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو تبلیغ کرنا اتنا آسان نہیں ہے کہ تم جلد جلد مکمل کر لو گے بلکہ میری دوبارہ آمد تک یہ کام مکمل نہ ہو سکے گا۔اور یہی حال آج تک نظر آرہا ہے کہ بہت سے بنی اسرائیل یعنی یہود نے یسوع مسیح علیہ السلام کے پیغام کو قبول نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے وجود کے انتظار میں ہیں۔کام مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی اس تعلیم کے بھی خلاف ہے کہ غیر قوموں کی طرف مت جانا۔

یسوع مسیح علیہ السلام کی تعلیمات سے ہٹ کر پطرس حواری نے غیر اسرائیلی لوگوں کو تبلیغ کی اور انہیں بپتسمہ دیا۔جب یہ بات باقی حواریوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اس کے اس فعل پر سخت جرح کی کیونکہ یہ عمل یسوع مسیح علیہ السلام کی واضح تعلیمات کے خلاف تھا:چنانچہ لکھا ہے: ''اور رسولوں اور بھائیوں نے جو یہودیہ میں تھے سنا کہ غیر قوموں نے بھی خدا کا کلام قبول کیا،جب پطرس یروشلم میں آیا تو مختون (بنی اسرائیل)اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں (غیر بنی اسرائیل) کے پاس گیا اور ان کے ساتھ کھانا کھایا۔'' (اعمال باب 11 آیات 1 تا 3)

پس پطرس حواری وہ پہلا شخص ہے جس نے یسوع مسیح علیہ السلام کی ہدایات کو توڑتے ہوئے آپ کے مشن کے خلاف غیر قوموں کو بھی تبلیغ شروع کی؛ حالانکہ اناجیل کی درج ذیل آیات میں آپ کو یہودیوں کا بادشاہ اور بنی اسرائیل کا سردار قرار دیا گیا ہے۔

1۔''اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کریگا۔'' (متی باب 2 آیت 6)

2۔ ''اے یہودیوں کے بادشاہ! آداب،'' (متی باب 27 آیت 29)

3۔ ''اور اس کا الزام لکھ کر اس کے سر کے اوپر لگا دیا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ

یسوع ہے۔'' (متی باب 27آیت 38)

4۔ ''یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے۔'' (متی باب 27 آیت 42)

یسوع مسیح کا مخالف اور موجودہ عیسائیت کا بانی، پولوس

پولوس جو شروع سے ہی یسوع مسیح کا دشمن اور آپ کی تعلیمات کا مخالف تھا، نے یسوع مسیح کے پیروکار کا روپ دھار کر آپ کی تعلیمات کا حلیہ بگاڑنا چاہا، یہودیوں کی مخالفت سے ناراض ہوکر اس نے غیر بنی اسرائیل میں ایک نئے مشن کا آغاز کردیا۔ چنانچہ لکھا ہے:

''اور جب سیلاس اور تیمتھیس مکدنیہ سے آئے تو پولُس کلام سنانے کے جوش سے مجبور ہو کر یہودیوں کے آگے گواہی دے رہا تھا کہ یسوع ہی مسیح ہے۔ اور جب لوگ مخالفت کرنے اور کفر بکنے لگے تو اس نے اپنے کپڑے جھاڑ کر ان سے کہا تمہارا خون تمہاری ہی گردن پر۔ میں پاک ہوں، اب سے غیر قوموں کے پاس جاؤں گا۔'' (اعمال باب 18 آیت 5 تا 6)

پس پولوس نے یسوع مسیح کے نام پر آپ کی تعلیمات کے خلاف ایک نئے مذہب کا آغاز کیا اس نے اسرائیل کے علاقے سے باہر انطاکیہ کو مرکز بنایا غیر اسرائیل کو اکٹھا کر کے تعلیم دی اور اوّلاً انطاکیہ سے اپنے شاگردوں کو مسیحی کا نام دیا۔ چنانچہ لکھا ہے:

''پھر وہ ساؤل (پولوس) کی تلاش میں ترسس کو چلا گیا اور جب وہ ملا تو اسے انطاکیہ میں لایا اور ایسا ہوا کہ وہ سال بھر تک کلیسیا کی جماعت میں شامل ہوتے بہت سے لوگوں کو تعلیم دیتے رہے اور شاگرد پہلے انطاکیہ ہی میں مسیحی کہلائے۔'' (اعمال باب 11 آیات 25، 26)

پس آج پولوس اور برنباس کے پیروکار مسیحی کہلاتے ہیں نہ کہ یسوع مسیح کے پیروکار۔ یسوع مسیح نے ہرگز اپنے پیروکاروں کو مسیحی کا نام نہیں دیا تھا بلکہ اپنے شاگردوں کو لفظ مسیح کو چھپانے کی ہدایت کی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے۔

''اس وقت اس نے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں مسیح ہوں۔'' (متی باب 16 آیت 20)

بعض عیسائی دوست جنہیں بائبل کی آیات میں تضادات ثابت کرنے کا بہت شوق ہے یا اس امر کا فہم ہی نہیں ہے کہہ دیتے ہیں کہ یسوع مسیح علیہ السلام نے تمام اقوام کو تبلیغ کرنے کی یوں تعلیم دی تھی کہ پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ۔ (متی باب 28 آیت 19)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ:

ا۔ یہ قول مذکورہ بالا اقوال مسیح اور آیات اناجیل کے مخالف ہے۔ اس لئے ہرگز یسوع مسیح علیہ السلام کا قول نہیں ہوسکتا ورنہ بائبل میں تضادات کو ماننا پڑے گا۔

ب۔ یہ آیت متی کی انجیل کی آخری دو آیات میں سے ہے۔ خاکسار ایک الگ مقالے میں یہ ثابت کرے گا کہ بائبل کی کتب کی ابتدائی اور آخری آیات صحیح نہیں بلکہ الحاقی ہیں۔

ج۔ متی باب 28 کی آیت نمبر 19 میں درج سب قوموں سے مراد سب دنیا کے لوگ نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے تمام قبائل، سب اقوام اور سارے لوگ مراد ہیں، کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے۔ یہ بات مذکورہ بالا اقوال مسیح علیہ السلام کے مطابق اور بائبل کے محاورہ سے ہم آہنگ ہے لکھا ہے: ''ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگوستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔'' (لوقا باب 2 آیت 1)

اب ظاہر ہے کہ قیصر اوگوستس نے جو مردم شماری کا حکم دیا وہ اپنے ہی زیر کنٹرول علاقے سے متعلق تھا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک ملک کا بادشاہ ساری دنیا پر راج کر سکے جبکہ دوسرے علاقوں کے الگ بادشاہ ہوں۔ پس جیسا کہ مردم شماری کے حوالے سے استعمال شدہ ساری دنیا سے مراد اس کی سلطنت کی دنیا مراد ہے، ایسا ہی انجیل کے حوالے میں سب قوموں سے مراد بنی اسرائیل کے سب قبائل مراد ہیں۔

اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ یسوع مسیح علیہ السلام خدا کے رسول تھے جو صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش اور اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کا مشن اور پیغام بنی اسرائیل کے قبائل تک محدود تھا، آپ ایک علاقائی اور قبائلی رسول تھے، آپ کا پیغام عالمی نہیں تھا۔ یسوع مسیح نے اپنے گھر اور دربار کے باہر NO ADMISSION یعنی بنی اسرائیل کے علاوہ دیگر لوگوں کا داخلہ ممنوع ہے، کا بورڈ لگا رکھا ہے۔ آپ نے پسند نہیں کیا کہ غیر اقوام کے لوگ آپ کے ہاں داخل ہوں۔ اب ہر شریف آدمی کا فرض ہے کہ اس اعلان کو پڑھنے کے بعد آگے بڑھ جائے یا پیچھے مڑ جائے مگر اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی شخص ایسے گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہ مذہبی شریعت اور ملکی قانون کا مجرم اور مستوجب سزا ہے۔ پس تمام وہ لوگ جو بنی اسرائیل تو نہیں مگر عیسائیت سے وابستہ ہیں وہ غلطی خوردہ ہیں کیونکہ وہ بغیر اجازت کے وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

ان دنوں بعض لوگ اپنی ٹوپیوں یا پگڑیوں پر ISRAEL لکھ کر یہ

خیال کرتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل ہیں حالانکہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔کوئی غیر قوم کا فرد ٹوپی یا پگڑی پہن کر بنی اسرائیل میں شمار نہیں ہوسکتا یہ تو صرف اپنی ولدیت تبدیل کرنے کی ناپاک کوشش ہے۔

لیکن دیگر اقوام دل برداشتہ نہ ہوں کہ وہ برکت اور رحمت سے محروم رہیں گے۔نہیں ، ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام وملل کو اپنے فرستادوں سے نوازا ہے (سورۃ الفاطر آیت 25)(سورۃ الرعد آیت 8)۔پھر محمد رسول اللہ ﷺ کو عالمی رسول بنا کر بھجوایا ہے جو دنیا کی ہر قوم کو یوں دعوت دے رہے ہیں: یٰٓـا ایھا النّـاس اِنی رسو لُ اللّٰہ اِلیکم جمیعا (سورۃ الاعراف آیت 159) کہ اے لوگو یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔پس محمد رسول اللہ تمام قبائل ،ساری دنیا اور سارے لوگوں کی طرف رسول ہیں اور آپ نے اپنے دروازے کے باہر آنے کے لئے COME IN کا بورڈ لگا رکھا ہے ۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکا یا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمد ﷺ سا نہ پایا ہم نے

اہم تصحیح

مجلّہ النور جنوری 2013ء حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں بھجوایا گیا۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بذریعہ خط اس شمارہ میں شامل ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب کے مضمون ''سانحہء ٹوپی پر تبصرہ'' میں ایک تصحیح فرمائی ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

'مضمون میں صوبیدار عبدالغفور خان صاحب کے بارہ میں لکھا ہوا ہے کہ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے افسرِ حفاظت تھے۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا ہے کہ

''صوبیدار غفور صاحب تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے افسرِ حفاظت رہے ہیں''

برائے مہربانی اس کی تصحیح فرمالیں۔جزاکم اللہ احسن الجزاء'

اُجال تُو

ارشاد عرشی ملک، اسلام آباد پاکستان

دل مضطرب بہت ہے مجھے آ سنبھال تُو
جھولی میں میری لُطف کی کچھ بھیک ڈال تُو

اس لوحِ دل پہ صرف ترا نام ہے کُھدا
اس دل کو ٹھوکروں سے نہ کر پائمال تو

میں تیرے آبِ عشق کی مچھلی ہوں جانِ جاں
خشکی پہ مت فراق کی مجھ کو اچھال تُو

تجھ کو پکارتا ہے مرا ڈوبتا بدن
دلدل سے اس جہان کی مجھ کو نکال تو

کر پاک مجھ کو قُرب کے قابل بنا مجھے
سب گند میرے دور ہوں مجھ کو اُجال تُو

قیّوم تو ہے تجھ سے ہر اک چیز کو قیام
برسوں سے کر رہا ہے مری دیکھ بھال تو

اپنے وجود کو ترے قدموں میں رکھ دیا
اس بے کمال چیز کو دے دے کمال تو

تکتی ہوں ہر گھڑی ترے جلوے نئے نئے
میری خوشی بھی تجھ سے ہے میرا ملال تو

اک پل کو تو جراح تو اک پل طبیب ہے
تو میرے دل کا زخم مرا اندمال تو

مانا کہ میں فقیر ہوں مفلس ہوں بے نوا
تُجھ سے تجھی کو مانگا ہے میرا سوال تُو

مجھ کو فنا کا شوق ہے ،کرعشق میں فنا
آبِ حیات دے کے نہ عرشی کو ٹال تُو

حضرت میر داؤد احمد صاحب

کی محبتوں، شفقتوں اور حسن سلوک کے بارے میں کچھ ذاتی یادداشتیں

سید شمشاد احمد ناصر لاس اینجلس امریکہ

{نوٹ: سیّد شمشاد صاحب نے یہ مضمون حضور اقدسؒ کی خدمت میں بھجوایا جس کے جواب میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا:

''۔۔اس مضمون کو شائع کروائیں۔ یہ مضمون صرف آپ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ آج جامعہ کے اساتذہ، طلباء، مربیان، واقفینِ زندگی سب کے لئے لائحہ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ میر صاحب کے درجات بلند فرماتا چلا جائے، آمین۔۔۔''}

دنیا میں انسان مختلف سعادتوں کے پانے پر خوش ہوتا ہے۔ مجھے بھی اپنی زندگی کی سب سے اہم سعادت، اپنے آپ کو اسلام واحمدیت کے لئے وقف کرنے کی ملی اس پر جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ اس سعادت کے طفیل مجھے دین ودنیا میں سب کچھ ملا ہے۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

وقف کرنا تو شائد آسان ہو، مگر وقف نبھانا اور وقف کے تقاضے پورے کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اور خصوصیت سے ایسے انسان کے لئے جس کا دینی علم کچھ نہ ہو، خاندانی خدمات نہ ہوں، اور ایک گاؤں سے اٹھ کر جہاں پر احمدیت کی تعلیم کا کچھ پتہ نہ ہو، مزید مشکلات کا سامنا پیدا کر دیتا ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہی موقوف ہے اور اسی قسم کے میرے بھی حالات ہیں۔

میں نے دسویں تو رو دھو کر پاس کر لی تھی، یہ میں نے اس لیے لکھا کہ آٹھویں جماعت کے بعد اگلے سال ہی میں نے دسویں کا امتحان دے دیا تھا۔ سکول میں بعض وجوہات کی بناء پر داخلہ نہ مل سکا تو دسویں کا امتحان پرائیوٹ طور پر دیا اور تین مضامین میں کمپارٹمنٹ آ گئی۔ نتیجۃً جامعہ میں داخلہ کے لئے وقت پر نہ پہنچ سکا اور 3 ماہ لیٹ ہو گیا۔

کمپارٹمنٹ کا امتحان دیکر ہی جامعہ میں چلا گیا، ابھی رزلٹ نہ آیا تھا، محترم سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم۔ اللہ ان کے بے حساب درجات بلند کرے اور اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے اور ان کے پیاروں کے ساتھ انہیں جگہ دے، کی شفقتوں اور مہربانیوں کا سلسلہ یہاں سے ہی شروع ہو گیا۔ یہ سو فیصد درست ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو اس وقت تک کچھ نہیں ہوتا، اسمیں نہ شک ہے نہ شک ہو گا نہ ہی شک کی گنجائش ہے۔ لیکن جہاں تک وسائل اور دنیوی تدابیر کا تعلق ہے وہ بھی انسان سے ہی وابستہ ہیں۔

چنانچہ پہلی شفقت تو محترم میر داؤد صاحب نے یہ فرمائی کہ جامعہ احمدیہ میں خاکسار کا داخلہ بغیر رزلٹ آئے ہی کر لیا۔ پھر جامعہ میں داخلہ کے لئے جیسا کہ مروجہ طریق ہے کہ خصوصاً پاکستان میں کہ داخلہ کے لئے انٹرویو ہوتا ہے جس میں جامعہ کے اساتذہ کرام اور جماعت کے بڑے بڑے جید علماء طالبعلم کا انٹرویو لیتے اور اسکی دینی تعلیم، رجحان اور اسکے بارے میں مزید معلومات حاصل کرتے ہیں۔ جن دنوں خاکسار جامعہ میں داخل ہوا جامعہ کے بزرگ اساتذہ اور جید علماء کی ایک بڑی ٹیم ہوا کرتی تھی اور وہ انٹرویو لیتے تھے۔ جن میں حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم، مولانا غلام باری سیف صاحب مرحوم، مکرم سید میر محمود احمد صاحب (اللہ انکی عمر اور صحت میں برکت دے)، وکیل التعلیم صاحب اور مولانا نسیم سیفی صاحب مرحوم، مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم، مولانا قاضی نذیر احمد صاحب مرحوم، مکرم ملک مبارک احمد صاحب مرحوم، مکرم قریشی نور الحق تنویر صاحب مرحوم اور حکیم مولوی خورشید احمد مرحوم، اور بہت سے بزرگ اور اساتذہ کرام ہیں۔

جب میں تین ماہ لیٹ آیا تو داخلے تو ہو چکے تھے، لیکن خاکسار کو پھر بھی جامعہ میں داخل کر لیا گیا۔ ابھی غالباً ایک ماہ بھی نہ گزرا ہو گا کہ ایک دن ممھدہ کی کلاس میں مکرم سلیم صاحب محترم پرنسپل میر داؤد احمد صاحب کی طرف سے ایک رقعہ لیکر آئے جو کلاس کے استاد کے نام تھا کہ شمشاد کو جو نئے طالبعلم آئے ہیں دفتر پرنسپل میں بھیجا جائے۔

ہمارا یہ پہلا موقعہ تھا پرنسپل صاحب کے دفتر میں جانے کا، چنانچہ

ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے میرے السلام علیکم کہنے کے بعد وعلیکم السلام کہتے ہوئے آپ نے کھڑے ہوکر میرا استقبال کیا اور کرسی پر بیٹھنے کے لئے فرمایا، مجھے کوئی دفتری آداب سے بھی واقفیت نہ تھی۔ انتہائی دیہاتی ماحول سے اُٹھکر آیا تھا۔ خیر آپ نے میرا نام پوچھا میں نے بتایا۔ ابا کا نام پوچھا، کہا کہ سید شوکت علی، پوچھنے لگے کہ تم جامعہ میں آئے ہو میں نے تمہارا انٹرویو لینا ہے، مجھے کچھ خوف سا ہوا کہ پتہ نہیں اب انٹرویو میں کیا ہوگا۔

آپ نے پوچھا کہ تمہیں سورۃ فاتحہ آتی ہے؟ میں نے کہا جی آتی ہے، فرمایا سناؤ۔ خاکسار نے سورۃ فاتحہ سنا دی، فرمانے لگے اس کا ترجمہ بھی آتا ہے؟ خاکسار نے عرض کی کہ ترجمہ سیکھنے کے لئے ہی تو میں جامعہ میں داخل ہوا ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ پھر ترجمہ سیکھنا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ پکی بات ہے، عرض کی پکی بات ہے آپ نے فرمایا کہ جاؤ کلاس میں۔

یہ تھا ہمارا انٹرویو، اگر فل بنچ انٹرویو لیتا، تو مجھے تو کامل یقین ہے کہ شائد ہی پاس ہوتا، مگر قربان جاؤں میر صاحب کی شفقت پہ کہ آپ نے ایک ہی نظر میں پہچان لیا کہ یہ بڑے انٹرویو کے قابل نہیں ہے۔ بیچارے پر اتنا بوجھ کیوں ڈالا جائے۔ اور سورۃ فاتحہ سن کر ہی جامعہ میں داخلہ دے دیا۔ بعد میں ایک موقع پر محترم میر داؤد صاحب نے خاکسار کو اس انٹرویو کی تفصیل بھی سنائی۔ فرمانے لگے کہ وکیل التعلیم کی طرف سے بار بار اصرار ہو رہا تھا کہ قواعد وضوابط کے تحت علماء کی پوری ٹیم بلائیں اور نئے داخل ہونے والے طالبعلم کا انٹرویو لے کر داخلہ کے کاغذات مکمل کریں، جب وکیل التعلیم صاحب کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو میں نے کہا کہ ایک بچے کے لئے اتنا بڑا بورڈ بٹھانے کی بجائے اگر میں ہی پرنسپل کے طور پر اس کا انٹرویو لے لوں تو ٹھیک رہے گا۔ اس پر وکیل التعلیم نے اثبات میں جواب دیا، اور میں نے تمہارا انٹرویو لے کر تمہیں جامعہ میں داخل کر لیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

میر داؤد مرحوم جامعہ کے طلباء کے لئے بہت بڑے محسن اور شفیق باپ کی طرح تھے، آپ کو جامعہ کے طلباء کی عزت، احترام، خودداری، تعلیم، ان کے اندر خلافت کی محبت، اور تبلیغ کا جذبہ پیدا کرنے کی ہر وقت لگن رہتی تھی۔ نیز انہیں سخت جان بنانے، انہیں زندہ دل اور ان کے اندر مزاح پیدا کرنے کی کوشش رہتی تھی اور یہ سب کچھ تربیت کا حصہ تھا۔ آپ نہ صرف یہ کہ ان امور کی طرف توجہ کرتے اور توجہ دلاتے بلکہ ان کا تعلق باللہ بڑھانے کی طرف بھی پوری توجہ فرماتے مثلاً ہمیں حکم تھا کہ ہر جمعہ کو مسجد میں جمعہ شروع ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے پہنچنا چاہئے تا کہ نوافل اور سنتوں کی ادائیگی بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ ہو اور ہمیں یہ بھی ہدایت ہوئی کہ نوافل اور سنتوں میں بڑی بڑی سورتیں مثلاً سورۃ یٰسین اور سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کی جائے تا کہ ان سورتوں کے مضامین بھی متحضر رہیں۔ اور انکی کوشش ہوتی کہ ہر جہت سے یہ طالبعلم جامعہ سے فارغ ہو کر احمدیت وخلافت کا جاں نثار مبلغ ومربی بنے۔ اس سلسلہ میں آپ کی شفقت، محبت اور احسان کے چند واقعات بھی لکھتا ہوں۔

آپ کی شفقتوں کے کچھ واقعات

ایک دفعہ پاکستان میں ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی، آپ نے جامعہ کے طلباء کے لئے حفظ ماتقدم کے طور پر طلباء کو ہیضے کے ٹیکے لگوانے کا انتظام فرمایا، اور مکرم عبدالجبار صاحب مرحوم جوان دنوں فضل عمر ہسپتال میں نرس کے فرائض بجا لاتے تھے۔ وہ طلباء کو انجکشن لگانے کے لئے جامعہ تشریف لائے۔ ایک دن پہلے ہی نوٹس بورڈ پر اعلان محترم میر داؤد صاحب نے لگا دیا کہ کل آخری پیریڈ میں سب طلباء ہال میں جمع ہو جائیں ٹیکے لگیں گے، ہر طالبعلم ٹیکہ لگوائے۔

خاکسار کی تو ٹیکے سے جان نکلتی ہے، ہوش وحواس میں ہوتے ہوئے انجکشن لگوانا ممکن نہ تھا، خیر جب طلباء ہال میں ٹیکے کے لئے جمع ہوئے تو کسی طرح خاکسار کھسک گیا، اور ہوسٹل چلا گیا، مجھے معلوم نہ تھا کہ ہر طالبعلم کا حساب کتاب بھی ہو رہا ہے یعنی ایک رجسٹر میں باقاعدہ کلاس وائز نام لکھے جا رہے ہیں۔ محترم میر صاحب کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ طالبعلم کھسک جاتے ہیں، ہم نے تو شکر بھی کیا اور خیر بھی منائی کہ چلو انجکشن کی تکلیف سے نجات ملی۔ مگر کہاں؟ اگلے دن جامعہ گیا تو نوٹس بورڈ پر ان سب طلباء کے نام لکھے ہوئے تھے جنہوں نے انجکشن نہ لگوایا تھا اس ہدایت کے ساتھ کہ آج پھر آخری پیریڈ میں ہال میں ان سب طلباء کو ٹیکہ لگایا جائے گا جو کل حاضر نہ تھے۔ چنانچہ سارا وقت انجکشن کا خیال کر کے بازو میں درد ہوتا رہا۔ اور تکلیف کے احساس سے اس دن پڑھائی بھی دلجمعی سے نہ ہو سکی۔ خیر خدا خدا کر کے ہال میں داخل ہوئے اس دن محترم میر صاحب خود بھی ہال میں موجود تھے، باقی طلباء کا مجھے کچھ پتہ نہیں لیکن جب میرا نام پکارا گیا تو میرا چہرہ زرد تھا، محترم میر صاحب نے بھانپ لیا، میری طرف بڑھے میرا بازو پکڑا اور فرمانے لگے کہ کل کیوں نہ لگوایا؟ میں کھڑا ہو گیا، عرض کی سچ سچ بتاؤں کہنے لگے ہاں۔ میں نے کہا کہ انجکشن سے ڈر لگتا ہے۔ کہنے لگے بس! میں نے کہا ہاں، مسکرا کر فرمانے لگے کہ اگر تمہیں فلاں جگہ بھجوا دیا گیا پتہ ہے وہاں کسطرح ٹیکے لگتے ہیں؟ پھر خود ہی جواب دیا۔ اور میرا بازو پکڑ کر میرے ساتھ عبدالجبار صاحب کے پاس لے گئے اور

قربان جاؤں اس شفقت کے۔ دعا کرتے رہے اور دعا کرکے پھر دم کرتے رہے، اور اس دوران عبدالجبار صاحب نے اپنا کام کر دیا یعنی ٹیکہ لگا دیا۔

جامعہ کی تعلیم کے دوران مجھے ذاتی کام کے لئے قرضہ کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ ابا جان کی طرف سے ابھی رقم نہیں ملی تھی، انہیں خط بھی لکھتا تو تین چار دن میں چنی گوٹھ ضلع بہاولپور پہنچتا تھا پھر ابا جان رقم بھجواتے تو آسمیں بھی 4-5 دن لگ جانے تھے۔ خیر بڑی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ پرنسپل صاحب کو قرضہ کی درخواست دیتے ہیں، اور قرضہ کی درخواست لکھ کر پرنسپل کے ڈبہ میں ڈالدی۔

اگلے دن ایک بند لفافہ سلیم صاحب کارکن جامعہ احمدیہ نے خاکسار کو دیا، کھولا تو انہوں نے عاجز کو ایک نہایت پیاری عمدہ دعا پڑھنے کی تحریک کی تھی کہ یہ دعا کثرت اور توجہ سے پڑھا کریں۔

"اللّٰھُمَّ رحمتک ارجوا فلا تکلنی الٰی نفسی طرفة عین و اصلح شانی کله لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ "

ترجمہ: "اے اللہ میں تیری رحمت کا طلبگار رہوں پس تو کبھی بھی ایک لحظہ کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا۔ اور میرے سارے کام خود ہی درست فرما دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں"

خدا تعالیٰ کے فضل سے اس دعا نے ایسا کام کیا کہ اس دن کے بعد سے آج تک لبوں پر جاری رہتی ہے اور خدا تعالیٰ خود غیب سے میرے سارے کام کر دیتا ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذلک

کہاں وہ ادارے جہاں دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انکے ہاتھوں میں کشکول پکڑا دیتے ہیں اور بھیک مانگنا سکھاتے ہیں، جن سے ان کی خودداری، عزت کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔ کہاں خدا کا یہ مسیح اور اسکے یہ پروانے اور اساتذہ۔ جو نہ صرف ان کے اندر جذبہء خودداری پیدا کرتے ہیں بلکہ اپنی تمام تر حاجات کا منبع و سرچشمہ خدا تعالیٰ کی ذات کو ہی سمجھتے ہیں۔

جامعہ کے طلباء ہر سال مسجد مبارک میں اعتکاف کرتے تھے خصوصاً آخری کلاسوں کے طلباء۔ خاکسار نے بھی ایک سال جامعہ کے ابتدائی سالوں میں اعتکاف کیا۔ گرمی کے دن تھے، محترم میر صاحب کے گھر سے آپ کی اہلیہ حضرت سیدہ آپا امۃ الباسط صاحبہ مرحومہ طلباء کے لئے روزانہ ہاتھ کی مٹھائی اور سموسے وغیرہ بنا کر بھجواتی تھیں۔ ابھی اعتکاف پر شاید دو تین دن ہی گزرے ہوں گے کہ سیدنا حضرت مرزا ناصر احمدؒ خلیفۃ المسیح الثالث نے خطبہ جمعہ میں کچھ اس قسم کی ہدایات دیں کہ بعض لوگ "دعا گو" بنے ہوتے ہیں، ان کے پاس لوگ کھانے اور مٹھائیاں لیکر دعا کرانے کے لئے آتے ہیں اور ایک قسم کی یہ بدعت بنتی جا رہی ہے اس لئے میں ان باتوں سے منع کرتا ہوں۔ (اس قسم کی ہی نصیحت و ہدایت تھی جسے میں نے اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے)۔

خیر شام کو افطاری کے وقت محترم میر صاحب کے گھر سے حسب سابق مٹھائی اور سموسوں کی افطاری آئی، خاکسار نے فوراً واپس کر دی کہ میں نہیں لوں گا اور نہ یہ کھاؤں گا۔ نماز عشاء پر محترم میر صاحب میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ آپ نے مٹھائی کیوں واپس بھجوا دی، میں نے عرض کی کہ آپ نے آج حضور کا خطبہ نہیں سنا؟ کہنے لگے سنا تھا میں نے کہا حضور نے فرمایا تھا کہ لوگ دعا گو بنے ہوئے ہیں اور مٹھائیاں وغیرہ انکے ٹینٹوں میں لوگ دے جاتے ہیں، اس وجہ سے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ حضور کی حکم عدولی ہو۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کس وجہ سے خطبہ دیا گیا ہے تم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہو۔ اور نہ ہی خدا تمہیں کرے۔ تمہارے ساتھ میرا رشتہ باپ بیٹوں جیسا ہے۔ میں نے عرض کی مجھے تو بہر حال صحیح صورت کا علم نہیں جو حضور نے فرمایا میں نے کر دیا۔ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو ٹھیک ہے کل سے بھجوا دیں۔

محترمہ بی بی امتہ الباسط بیگم صاحبہ (بی بی باچھی) کی منجملہ خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ہر سال ان تمام طلباء کو جو اعتکاف بیٹھتے تھے ان کے لئے بلا ناغہ گھر سے کھانے پینے کی اشیاء اور مٹھائیاں وغیرہ بھجواتیں۔ اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند کرے اور ان پر بھی رحمتوں کی چادر ڈالے۔ اور انہیں بھی پیاروں میں جگہ دے۔ اللھم اغفرلها و ارحمها و ادخلها فی علیین۔

آپ جلسہ سالانہ کے بھی افسر ہوتے تھے۔ بڑی مصروفیات کا عالم ہوتا تھا۔ اور ایسے میں بھی آپ طلباء جامعہ کا خیال رکھتے تھے۔ جلسہ سالانہ چونکہ دسمبر کے آخری دنوں میں ہوتا تھا۔ اس لئے جلسہ کے اختتام اور نئے سال کے شروع میں ایک دو سال کے لئے آپ نے جامعہ کی آخری کلاس کے طلباء کو مری (Murree) وغیرہ Snow Fall دیکھنے کے لئے بھجوانا شروع کیا۔ غالباً ہماری کلاس سے دو سال پہلے والے طلباء گئے تھے۔ تو جس سال ہماری باری آنی تھی ہم سب بڑے خوش کہ ہمیں بھی اب پرنسپل صاحب مری وغیرہ میں سنو فال دیکھنے

کے لئے بھجوائیں گے، خدا خدا کر کے وہ دن آیا۔ ہمیں اطلاع ملی کہ سب طلباء جامعہ کی ٹک شاپ پر جمع ہو جائیں۔ ہم سب بہت خوش تھے کہ بس اب کل کو چناب ایکسپریس پر ہم جا رہے ہیں سنوفال دیکھنے کے لئے۔

چنانچہ عصر کے وقت سب طلباء ٹک شاپ پر جمع ہو گئے اور محترم پرنسپل صاحب بھی تشریف لے آئے۔ طلباء میں رشید ارشد صاحب، سمیع اللہ زاہد صاحب، سجاد صاحب، مرزا محمود صاحب، زکریا خان صاحب، سلمان صاحب، مفتی احمد صادق صاحب، انعام الحق کوثر صاحب، شریف احمد صاحب، عبدالستار خان صاحب (یہی نام اس وقت یاد ہیں) اور دیگر ساتھی تھے۔ جب چائے وغیرہ پی چکے تو محترم میر صاحب نے فرمایا کہ بچو اس سال میں تمہیں سنوفال دیکھنے کے لئے نہیں بھجوا سکتا، یہ بات بجلی کی طرح ہم پر گری۔ بس پھر کیا تھا یہ اوپر والے مذکورہ طلباء نے محترم پرنسپل صاحب کو بار بار اصرار کیا کہ ہم تو جائیں گے، وہ نظارہ قابل دید تھا جسطرح بچے باپ کے ساتھ پیار و محبت میں ضد کرتے ہیں۔ طالبعلم ضد بھی کر رہا ہے اور اصرار بھی کر رہا ہے کہ نہیں جو کچھ بھی ہو ہمیں ضرور بھجوائیں۔ پرنسپل صاحب کہہ رہے ہیں کہ اس دفعہ فنڈز نہیں ہیں وغیرہ۔ اپنی مجبوریاں بیان کئے جا رہے ہیں اور ہم ہیں کہ مجبوریوں کو خاطر میں نہیں لا رہے۔ جب معاملہ طول پکڑ گیا اور میر صاحب نے کہہ دیا کہ اس سال نہیں بھجوا سکتا۔ سب خاموش ہو گئے۔ خاکسار نے سکوت توڑا اور طلباء ساتھیوں سے کہا کہ اگر میں پرنسپل ہوتا تو تمہیں ضرور بھجوا دیتا۔ میر صاحب نے میری طرف دیکھا پوچھا کیا کہا ہے؟ میں نے کہا جی! اگر میں پرنسپل ہوتا تو سب کو سنوفال دیکھنے کے لئے بھجوا دیتا۔ میر صاحب فرمانے لگے کہ چلو اچھا تمہیں ایک گھنٹہ کے لئے پرنسپل بنا دیتا ہوں، میں نے کہا کہ ایک گھنٹے میں تو ہم سٹیشن تک بھی نہ پہنچ پائیں گے! بس اس پر زوردار قہقہہ بلند ہوا سب مسکرانے لگے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

جس سال امریکہ چاند پر گیا ہے۔ تو اخبارات میں یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ اس سال لوگ بھی چاند پر جا سکیں گے۔ میں نے بھی ایک ایسی ہی خبر پڑھی اور پڑھ کر پرنسپل صاحب کے نام درخواست یوں لکھی کی

عرض ہے کہ مجھے یہ خبر سن کر نہایت خوشی ہوئی ہے کہ انسان جولائی تک چاند پر پہنچ جائے گا میں اس دفعہ گرمیوں کی چھٹیاں چاند پر گزارنا چاہتا ہوں۔ یہاں پر دل نہیں لگتا اس لئے براہ کرم چاند پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جاوے، عین نوازش ہوگی۔

سید شمشاد احمد ناصر۔ درجہ ثانیہ 28/5/69

اگلے دن لفافہ میں میرے نام خط کا جواب پرنسپل نے دیا، اسی خط پر ایک حاشیہ پر لکھا

واپس'' ہمارے ایک عزیز تھے انہوں نے اپنے والد سے اصرار کیا کہ مجھے ہوائی جہاز اڑانے کا شوق ہے مجھے اسکی ٹریننگ دلوا دیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے زمین پر چلنا سیکھو۔ سو اگر زمین پر جہاں رنگا رنگ کہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں آپ کا دل نہیں لگتا تو چاند جہاں سوائے پتھروں اور ریت کے کچھ نہیں دل کیسے لگے گا؟ سوائے اس کے کہ ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو''

دستخط (سید داؤد احمد)

اب دیکھیں میر صاحب مرحوم نے یہ نہیں لکھا کہ شمشاد تم نے یہ کیسی بے وقوفی کی درخواست دی ہے نہ ہی جھڑکا، اور نہ ہی ناراض ہوئے بلکہ خود بھی محظوظ ہوئے اور مجھے بھی ایسا جواب لکھا جس میں نصیحت تھی۔

عاجزی وانکساری

ایکدفعہ باہر سے ایک غیر ملکی مہمان آپ سے ملنے کے لئے آئے، انہوں نے دفتر میں آپ سے ملاقات کی۔ ملاقات کرنے کے بعد جب آپ انہیں باہر چھوڑنے آئے، تو عین اس وقت گھنٹی بجی اور اساتذہ اور طلباء اپنی کلاسوں سے باہر نکلے تاکہ اپنی اپنی دوسری کلاسوں میں جا سکیں۔ اتفاقاً خاکسار اور چند اور طلباء بھی باہر نکلے اور وہاں ہی ہمارے پیارے استاد جناب میر محمود احمد ناصر صاحب بھی آ گئے تو محترم پرنسپل صاحب نے میر محمود صاحب کا تعارف کرایا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ مہمان نے پوچھا کہ آپ میں سے بڑا کون ہے؟ آپ نے فوراً جواب دیا کہ ''علم میں یہ بڑے ہیں۔ عمر میں میں بڑا ہوں''۔

ایکدفعہ مسجد مبارک میں اعتکاف کیا، تو جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں کہ آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ آپا امتہ الباسط صاحبہ ہمارے لئے افطاری کے وقت خود تیار کر کے مٹھائیاں بھجواتی تھیں، بلکہ مٹھائی کے علاوہ اور بھی کچھ مزے دار چیزیں ساتھ آتی تھیں۔ ایک دن نماز عشاء کے بعد محترم میر صاحب مرحوم و مغفور خاکسار کے پاس آئے اور پوچھا شمشاد اعتکاف کیسا گزر رہا ہے؟ عرض کی کہ اعتکاف تو ٹھیک گزر رہا ہے لیکن مجھے ایک بیماری ہے جسکی وجہ سے ذرا دقت محسوس کر رہا ہوں۔ پوچھنے لگے کہ وہ کیا؟ عرض کی کہ لسّی پینے کی بیماری ہے میں چائے کا عادی نہیں ہوں اور آجکل گرمی بھی بہت ہے، لسّی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ بس یہی بات ہوئی، اگلے دن صبح ہی صبح ٹھیک سحری کے وقت سید قمر سلیمان احمد صاحب

حضرت میر صاحب کے بڑے صاحبزادے) میرے لئے روزانہ گھر سے بڑی مزے دار لسی لے کر آتے رہے۔ اور پھر بقیہ ایام میں ہر روز ایسا ہی ہوتا رہا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

آخری کلاس یعنی درجہ سادسہ میں محترم میر صاحب ڈسپلن کی بڑی سختی فرماتے تھے۔ ہمیں حکم تھا کہ وقت پر جامعہ آنا ہے۔ کلاس میں خود اپنی حاضری لگانی ہے۔ اور کلاس کے طلباء نے باری باری پڑھانا بھی ہے اور درس بھی دینا ہے۔ اور اسکی روزانہ ڈائری بھی لکھنی ہے۔ اور ڈائری لکھ کر روزانہ ہی پرنسپل صاحب کو دینی ہے، محترم پرنسپل صاحب ڈائری چیک کرتے۔ ہر ایک کی ڈائری پر نوٹ تحریر فرماتے اور جس چیز میں کمی رہ گئی ہوتی تو اسکی طرف توجہ دلاتے۔ اور ہمارے پروگرام تہجد سے شروع کرواتے، تہجد میں ناغہ منظور نہ تھا، اس کے لئے اگر ناغہ ہو جاتا تو نوافل ہوتے، اور صدقہ بھی دیا جاتا، اور اگر مسلسل دو تین دن ایسا ہو جاتا کہ تہجد کے لئے نہ اٹھا گیا، تو پھر مسجد اعتکاف کرنا پڑتا۔

خاکسار نے ایک دن لکھا کہ آج تہجد نہ ادا ہوئی۔ استغفار بھی کیا اور صدقہ بھی دیا۔ اگلے دن پھر یہی ہوا۔ اور ساتھ ہی لکھ دیا کہ استغفار کی اور صدقہ ادا کر دیا۔ آپ نے اس پر نوٹ لکھا کہ اب صدقہ اور استغفار کافی نہیں ہے، آج رات مسجد مبارک میں نماز عشاء سے فجر تک اعتکاف کریں اور دعاؤں میں وقت گزاریں۔ چنانچہ خاکسار نماز عشاء کے بعد بستر لے کر مسجد مبارک پہنچ گیا۔ وہاں پر ابھی پہرے داروں کو پتہ نہ تھا کہ آج رات میں نے اعتکاف کرنا ہے، وہ کہنے لگے کہ ہمیں اسکی کوئی اطلاع نہیں ہے میر صاحب سے جا کر کہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو مسجد کے دروازے پر ہی اعتکاف کرلوں گا آپ خود جا کر پتہ کریں۔ میں اب یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ میرا اعتکاف نماز عشاء کے بعد سے شروع ہے۔ چنانچہ پہرے دار محترم میر صاحب کے گھر گیا۔ (آپ کا گھر مسجد مبارک سے ہی متصل تھا) اور پتہ کر کے آیا۔ اور اس طرح تہجد ادا نہ کرنے پر مسجد مبارک میں اعتکاف کیا۔

ضمانت یا سفارش

خاکسار کو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کتب کا سیٹ خریدنا تھا۔ لیکن اس کے لئے رقم نہ تھی۔ چنانچہ الشرکۃ الاسلامیہ سے رابطہ کیا۔ وہاں پر ان دنوں ایک دوست شیخ عبدالخالق صاحب مرحوم انچارج ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کے پرنسپل صاحب آپکی ضمانت دے دیں تو میں کتب کا سیٹ آپ کو دے دوں گا۔ اور آپ ہر ماہ تھوڑی تھوڑی رقم باقاعدگی سے بالاقساط ادا کر دیں۔

خاکسار نے محترم پرنسپل صاحب کو درخواست دے دی کہ مجھے کتب کا سیٹ چاہیئے لیکن ساری رقم ادائیگی کے لئے نہیں ہے۔ آپ الشرکۃ الاسلامیہ کو میری ضمانت دے دیں کہ میں ادائیگی کر دوں گا۔ آپ نے جواباً مجھے لکھا کہ میں تو خود واقفِ زندگی ہوں آپکی ضمانت کیسے دے دوں؟ ہاں سفارش کر سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے میری سفارش کی کہ یہ اچھے طالبعلم ہیں انہیں کتب کا سیٹ دے دیا جائے، یہ ادائیگی کر دیں گے۔ میں انکی سفارش کرتا ہوں، چنانچہ اس طرح مجھے کتب کا سیٹ مل گیا اور خاکسار نے رقم کی ادائیگی قسطوں میں کر دی۔

لفظ حضرت اقدس کا صحیح استعمال

خاکسار غالباً پہلے سال ممہدہ کا امتحان دے کر گاؤں چھٹیاں گزارنے چلا گیا تھا۔ وہاں سے میں نے آپ کی خدمت میں خط لکھا اور لفافہ پر جہاں ایڈریس لکھتے ہیں آپ کے نام کے ساتھ لکھا

بخدمت اقدس سید میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ

آپ نے فوراً خاکسار کو اس خط کا جواب لکھ کر بھیجا اور نصیحت فرمائی کہ لفظ اقدس کے معانی ہیں "سب سے زیادہ پاک" اور یہ لفظ صرف اور صرف نبی اور خلیفہ کے لئے استعمال کرنا چاہیئے اور کوئی اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جائے۔ دراصل محترم میر داؤد احمد صاحب کو خاکسار نے جب سے دیکھا آپ کی پرکشش شخصیت، باوقار چہرہ، آپ کی نفاست اور آپ کے حسن سلوک نیز آپکی نیکی اور تقویٰ سے متاثر ہو کر خاکسار نے آپ کے لئے یہ لفظ لکھ دیا تھا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ میں جب اپنے گاؤں میں سالانہ امتحان دے کر گیا ہوا تھا تو وہاں سے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ خیریت سے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ اور جو کچھ بھی لکھنا تھا لکھ دیا۔ اور آخر میں یہ بھی لکھ دیا

میر صاحب محترم! اگر قلم، دوات، کاغذ میسر ہو تو خط کا جواب بھی ضرور دیں۔ آپ نے محبت بھرے انداز میں خط لکھا اور آخر میں میرے فقرہ کو درج کر کے لکھا کہ کیا کسی کو خط لکھنے کا صرف یہی محرک ہوا کرتے ہیں۔ کہ اسکے پاس کاغذ، قلم اور دوات ہو؟

درجہ شاہد کا امتحان دے کر کچھ چھٹیاں ملیں تو خاکسار چھٹیاں گزارنے چلا گیا واپس آیا تو جب ڈائری جو روزانہ آپ کو دینی ہوتی تھی۔ بھجوائی جانے لگی پہلے ایک دو دن تو آپ نے صرف ڈائری کے مندرجات پر ہی نوٹس دیئے

تیسرے دن لکھا کہ '' کیا استاد اور شاگردی کے یہی آداب ہوتے ہیں کہ چھٹیاں گزارنے کے بعد واپس آ کر ملے بھی نہیں؟'' خاکسار نے لکھا کہ شرمندہ ہوں۔ اور ملنے پھر بھی نہ گیا۔ آپ نے اگلے دن خود بلوایا اور گلے لگایا۔

ایک دفعہ جامعہ میں کوئی فنکشن ہونا تھا خاکسار کو ہدایت دی کہ آپ اسکے انچارج ہیں میں نے فوراً '' نہ '' کر دی، پوچھنے لگے کہ کیوں؟ عرض کی مجھے اس کام کا تجربہ نہیں ہے یہ بڑی ذمہ داری ہے میں نہیں لینا چاہتا۔ آپ نے فرمایا میں اپنے طلباء کے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ کسی بھی کام کے لئے نہ کریں۔ میں تو اس بات پر خوش ہوں گا اور فخر محسوس کروں گا کہ میدان میں تمہاری لاش دیکھوں کہ تم نے میدان عمل میں جان دے دی ہے۔ یا پھر کام مکمل کر کے واپس آئے ہو۔ یہ جذبہ تھا جو آپ ہر طالبعلم کے دل میں بٹھا کر اسے جماعت کے مستقبل کے لئے تیاری کراتے تھے۔ اور آپ یہ باتیں اور نصائح اس رنگ میں کرتے تھے کہ سننے والے کے دل میں جاگزیں ہوتی تھیں۔ خصوصاً اپنے طلباء پر آپ کو ناز بھی بہت تھا۔ اور سمجھتے تھے کہ جس عظیم مقصد کے لئے انہیں تیار کیا جا رہا ہے یہ اس قابل ہو رہے ہیں اور گاہے بگاہے اسکو آزماتے بھی رہتے تھے۔

کراس کنٹری ریس

ایک دفعہ آپ نے چھٹی کے دن غالباً 26 میل کی کراس کنٹری ریس لگوائی۔ کچھ طلباء نے اس میں حصہ لیا۔ آپ نے انہی طلباء میں سے چند ایک کو اگلے دن کے لئے دوبارہ منتخب کیا جو پہلے دن ریس لگا کر آئے تھے اور فرمایا کہ یہ طلباء آج پھر کراس کنٹری ریس پر جائیں گے۔ اور مکرم عبدالرزاق صاحب مرحوم جو ہمارے جامعہ کے فزیکل ایجوکیشن کے انچارج تھے اور پی ٹی صاحب کے نام سے مشہور تھے کو بصیغہ راز بتایا کہ اگر یہ طلباء بغیر کسی چون و چرا کے آج پھر جا کر ریس میں حصہ لیں گے تو ان کو جو وہ چاہیں گے انعام دوں گا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ سب طلباء بغیر کسی چون و چرا کے اگلے دن پھر ریس پر گئے اور آپ نے ان سب کو انکی خواہش کے مطابق انعامات بھی دیئے۔ ان میں سے دو طالبعلم ہماری کلاس میں سے تھے۔

چشم پوشی بھی اور اصلاح بھی

جامعہ میں تعلیم کے دوران خاکسار کو اشعار یاد کرنے میں دلچسپی تھی اس لئے بعض اوقات ہر قسم کا شعر سن کر یاد ہو جایا کرتا تھا۔ پھر چند اور طلباء بھی تھے جب ہم اکٹھے ہوتے تو جو نیا شعر سنا ہوتا یا یاد کیا ہوتا وہ ایک دوسرے کو سنا کر محظوظ ہوتے۔

ایک دفعہ گرمیوں کے دن تھے۔ اور جامعہ کے امتحانات سر پر تھے۔ رات دیر گئے تک طلباء سٹڈی میں مصروف رہتے، پڑھائی کرتے کرتے جب تھکاوٹ محسوس ہوتی تو ہم تین چار دوست مل جاتے اور وہیں کھڑے کھڑے ایک دوسرے کو اشعار سنانا شروع کر دیتے تا کہ ذہنی تھکاوٹ دور ہو۔ جب میں شعر پڑھ رہا تھا، رات کا کوئی ساڑھے دس بجے کا وقت ہو گا تو اچانک محترم پرنسپل صاحب جو اس وقت جامعہ کا گشت کر رہے تھے نے میرے شعر پڑھنے پر کنگھورا مارا اور اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ یہ میرے لئے بہت بڑی Embarrassment تھی۔ خیر اتنے میں پرنسپل صاحب بالکل سامنے آ گئے اور فرمایا۔ شمشاد! شعر دوبارہ پڑھو، میں شرمندہ تھا، لیکن حوصلے کے ساتھ میں نے عرض کی۔ میر صاحب ایک غلطی تو میں نے خود کر دی۔ دوسری دفعہ غلطی آپ کروانے لگے ہیں۔ آپ خاموش ہو گئے۔

اگلے دن کلاس کے دوران، محمد سلیم صاحب مرحوم آپکی طرف سے ایک لفافہ لیکر آئے، کھولا تو اس میں درج تھا

عزیزم شمشاد احمد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ آئندہ سے شعر نہ پڑھا کریں، جو وقت آپ شعروں کو یاد کرنے اور پڑھنے میں لگاتے ہیں وہ کسی اور عمدہ کام میں صرف کریں۔

والسلام۔ سید داؤد احمد

خیر ہم نے شعر یاد کرنے اور سنانے بالکل چھوڑ دیئے، اور بات آئی گئی ہو گئی، لیکن بُرج کی نہر پر سالانہ پکنک تھی، محترم پرنسپل صاحب بھی تھے اور اس میں دوپہر کے وقت بعض اور بزرگ علماء جن میں حضرت مولنا ابوالعطاء صاحب جالندھری مجھے یاد ہیں بھی تشریف لائے ہوئے تھے، تو بیت بازی کا مقابلہ ہونے لگا۔

میں خاموشی کے ساتھ نظریں نیچی کئے ہوئے ایک طرف بیٹھا تھا کہ اچانک پرنسپل صاحب نے خاکسار کو آواز دی شمشاد تم شعر کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی کہ آپ نے ہی پابندی لگائی ہوئی ہے۔ ہنس کر فرمانے لگے کہ وہ تو ایک وقت کے لئے تھی۔ تمہارے امتحان سر پر تھے اور تم اشعار میں اپنا وقت ضائع کر رہے تھے۔ اس لئے پابندی لگائی تھی۔ تم شوق سے اشعار پڑھو۔

اللہ اللہ کیا شفقت تھی۔ کیا اصلاح کا طریق تھا اور کیا ہی چشم پوشی تھی۔

بظاہر یہ ایک بہت معمولی واقعہ ہے مگر دیکھیں

1۔آپ نے میرے شعر سننے اور پھر جواب دینے پر کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا،

آپ تو اس وقت جھڑک بھی سکتے تھے،سزا بھی دے سکتے تھے لیکن نہیں!

2۔مجھے سب کے سامنے ڈانٹا بھی نہیں، بلکہ یہ بھی نہیں کہا کہ تم شعر نہ پڑھا کرو۔

3۔چشم پوشی بھی کی۔اور اگلے دن اصلاح کا طریق بھی اختیار کیا کہ علیحدگی میں خط لکھ کر اصلاح کر دی اور تربیت فرمائی تا کہ عزت نفس مجروح نہ ہو اور شرمندگی بھی نہ اٹھانی پڑے۔

خاکسار نے اس طریق سے ہمیشہ ہی میدان عمل میں فائدہ اٹھایا ہے، جن دوستوں کو کسی امر سے متعلق توجہ دلانی مقصود ہوتی ہے، خاکسار بھی انہیں خط لکھ کر اطلاع کرتا ہے اور توجہ دلاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت دفعہ اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔آپ طلباء کی عزت نفس کا بہت خیال رکھتے تھے، اور طالبعلم کو یہ محسوس ہی نہ ہونے دیتے تھے کہ انہیں بے عزت کیا جارہا ہے۔

ایک دفعہ کسی بات پر خاکسار نے محترم پرنسپل صاحب کو کسی بات کا ذرا خشک سا جواب دے دیا۔آپ نے فرمایا۔شمشاد!تم سب کچھ بنو لیکن خشک مولوی نہ بننا!

شاہد کے امتحان میں بھی معجزانہ کامیابی

جس طرح خاکسار نے شروع میں ذکر کیا ہے کہ جامعہ میں میرا داخلہ بھی ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔یہ محض اور محض خدا تعالیٰ کا خاص فضل ، اور میرے والدین کی دعائیں نیز حضرت میر صاحب مرحوم کی شفقت کا نتیجہ تھا۔بالکل اسی طرح جامعہ سے فراغت اور شاہد کے امتحان میں کامیابی بھی ایک معجزہ اور خدا تعالیٰ کے فضل کا میرے لیے ایک بہت بڑا نشان تھا۔

ہوا یہ کہ ہماری کلاس نے 1973ء کے شروع میں درجہ شاہد کا امتحان دیا ، جب رزلٹ آیا تو میں فیل تھا۔کچھ دوستوں کی تو ایک دو مضامین میں کمپارٹمنٹ آ گئی اور کچھ خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہو گئے ۔ میں ان میں شامل تھا جو فیل ہو گئے تھے۔خیر بہت دعائیں کیں ، کہ اے اللہ میں تو بے حد نالائق ہوں، اور مجھ سے تو دوبارہ سب مضامین کا امتحان دینا بہت مشکل ہوگا۔ کوئی ایسا سامان کر کہ دو تین مضامین میں کمپارٹمنٹ ہی آ جائے تا کہ سب مضامین کی بجائے چند مضامین پر توجہ دوں اور امتحان دے سکوں۔خیر اس بات پر چند دن گزر گئے رزلٹ نکلنے کے بعد میں محترم میر صاحب کو شرمندگی کی وجہ سے ملنے بھی نہ گیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد مجھے محترم پرنسپل صاحب نے اپنے دفتر میں بلایا میں پریشانی کے عالم میں دفتر گیا دل میں طرح طرح کے خیالات جنم لینے لگے اب پتہ نہیں کیا ہو گا چنانچہ دفتر پہنچا۔حسب سابق محترم پرنسپل صاحب نے مسکراتے ہوئے کھڑے ہو کر استقبال کیا، ایک ہاتھ میں کاغذ پکڑا ہوا تھا۔کبھی وہ کاغذ میری طرف بڑھاتے اور کبھی کچھ کہنے کی کوشش بھی کرتے ۔خیر فرمایا یہ لو خود ہی پڑھ لو۔

میرا تو وہ کاغذ آپ کے ہاتھ میں دیکھ کر پہلے ہی رنگ فق ہو گیا تھا کہ نہ جانے اس میں کون سی سزا ہو گی کیونکہ شاہد امتحان میں فیل تھا۔ جب خط پڑھا تو میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔خط میں محترم پرنسپل صاحب نے مجھے لکھا کہ

عزیزم مکرم سید شمشاد احمد ناصر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کو وکالت تعلیم کی طرف سے جامعہ احمدیہ 1973ء کے شاہد کے امتحان میں کامیاب قرار دیا گیا ہے۔ میں آپ کو اس پر مبارکباد دیتا ہوں۔اللہ تعالیٰ آپ کو احسن رنگ میں دین کی خدمت کی توفیق دے،آمین۔

والسلام خاکسار۔سید داؤد احمد

(اصلی خط میرے پاس اس وقت موجود نہیں یہ اس کا خلاصہ ہے)۔

آپ خود اندازہ لگا لیں کہ اس وقت میری کیا حالت تھی؟ خیر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور الحمدللہ پڑھنے کے بعد پرنسپل صاحب سے عرض کی کہ مجھے تو بہت پریشانی تھی۔ میں تو دن رات کمپارٹمنٹ کے لئے ہی دعائیں کر رہا تھا کہ کس طرح سارے مضامین کا امتحان دوں گا۔اور اب خدا تعالیٰ نے اتنا فضل فرمایا ہے کہ میں سارے مضامین میں پاس ہوں۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف میں حضرت مریم کا واقعہ پڑھا ہے انہیں بھی بہت پریشانی اور فکر تھی، پھر خدا نے ان کے قدموں میں ہی پانی کا چشمہ نکال دیا اور کھجوریں بھی تازہ بتازہ دے دیں۔میں نے الحمدللہ کہا، میں نے خط لے لیا۔اور محترم پرنسپل صاحب کے لئے بھی دعائیں کیں، کچھ دنوں بعد میں نے عرض کی کہ میر صاحب مجھے کچھ تو بتائیں کہ ہوا کیا تھا؟

فرمانے لگے کہ جب تمہاری کلاس کا رزلٹ آیا تو میں نے اپنے میز پر سامنے رکھ لیا اور وکالت تعلیم کو اطلاع دے دی کہ یہ رزلٹ ٹھیک ہے، اس کے مطابق اعلان کیا جارہا ہے۔لیکن جب اعلان ہو گیا تو کچھ دنوں کے بعد جب کہ

رزلٹ ابھی میز پر سامنے ہی تھا میری نظر تمہارے نمبروں پر پڑی، تم سب مضامین میں پاس تھے، لیکن ٹوٹل میں غالباً ایک دونمبروں کی وجہ سے کمی تھی۔ اور یہی وجہ تمہارے فیل ہونے کی تھی۔ ادھر وکالت تعلیم کی طرف سے پرنسپل کو اختیار ہوتا ہے کہ جس طالب علم کو چاہیں کچھ نمبر دے کر اگر وہ پاس ہوسکتا ہو تو پاس کر دیں۔ رزلٹ کے اعلان کے وقت چونکہ میری نظر تمہارے نمبروں پر نہ پڑی تھی۔ بعد میں دیکھا کہ ایک دونمبروں کی وجہ سے تمہیں فیل ہونا پڑا ہے جسکی وجہ سے میں نے وکالت تعلیم میں بار بار رابطہ کیا کہ یہ طالب علم پاس ہوسکتا ہے میں اس کو گریس مارکس دیتا ہوں۔ مگر وکیل التعلیم صاحب نہ مانے کہ رزلٹ آپ نے دیکھا، آپ نے منظور کر کے ہی ہمیں بھجوایا ہے، اس لئے اب آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ میر صاحب نے مزید فرمایا لیکن مجھے شدید قلق تھا کہ میری تھوڑی سی غفلت کے نتیجہ میں ایک طالبعلم کو یہ تکلیف برداشت کرنا پڑ رہی ہے۔ چنانچہ میر صاحب نے فرمایا کہ اُس دن جب تمہیں میں نے دفتر بلا کر خط دیا تھا، اس وقت میں نے وکالت تعلیم سے درخواست کی تھی کہ اس میں طالبعلم کا قصور نہیں ہے اگر سزا دینی ہے تو مجھے دیں نہ کہ طالبعلم کو۔! اس پر انہوں نے مجھے کہا کہ اچھا پھر آپ کیا چاہیں گے؟ میں نے کہا کہ میں اس طالبعلم کو پاس کرنا چاہتا ہوں۔ تو انہوں نے اجازت دے دی۔ اور تمہیں پاس ہونے کی اطلاع کی۔

اس واقعہ سے محترم پرنسپل صاحب کی طالبعلم کے ساتھ شفقت اور اسکی تکلیف اور پریشانی سے بچانے کے لئے آپ کی کوشش اور پھر یہی نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر سزا دینی ہے تو مجھے دیں نہ کہ طالبعلم کو۔ اس میں سب کچھ عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو احسن جزا دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ آمین۔

1973ء کے شروع ہی کا واقعہ ہے کہ جامعہ میں سالانہ کھیلیں مارچ کے مہینے میں ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ جامعہ کا بہت بڑا فنکشن ہوتا تھا، اور ان کھیلوں میں ایک کھیل روک دوڑ ہوتی تھی، اور اسکے علاوہ کچھ اور کھیلیں بھی۔ درجہ سادسہ کے طلباء کو سب میں حصہ لینا پڑتا تھا۔ ایک کھیل pillow fighting تکیہ جنگ بھی محترم میر صاحب نے رکھی، دو طلباء آمنے سامنے دوسرے کی گردن پر سوار ہو کر جنگ کرتے تھے، خیر جس دوست کے کندھوں پر خاکسار سوار ہوا۔ تو انہوں نے جیتنے کے بعد از راہ مذاق خاکسار کو نیچے گرا دیا۔ جس سے خاکسار کو کولہوں کے درمیان اور پسلیوں میں شدید درد ہو گیا۔ خاکسار کو سخت تکلیف ہوئی۔ محترم میر داؤد احمد صاحب نے میری جو یہ تکلیف دیکھی تو آپ کو بہت رنج اور صدمہ ہوا۔

فوراً ایک جیپ میں ڈال کر خاکسار کو فضل عمر ہسپتال پہنچایا گیا جہاں ایکسرے اور علاج شروع ہو گیا نیچے گرنے کی وجہ سے خاکسار کے بعض عضلات پھٹ گئے تھے جسکی وجہ سے شدید درد تھا۔ فنکشن کے ختم ہونے پر محترم میر داؤد صاحب خود بیمار ہو گئے اور اتنے بیمار ہوئے کہ آپ کو پنڈی ہسپتال لے جایا گیا اور آپ وہاں زیر علاج ہو گئے۔ میری طبیعت کچھ سنبھلی تو ارادہ کیا کہ میں پنڈی جاؤں اور آپکی مزاج پرسی اور تیمارداری کروں۔ میں نے محترم سید میر محمود احمد ناصر صاحب جو آپ کے چھوٹے بھائی ہیں ان سے درخواست کی کہ جب وہ پنڈی آپ کا پتہ کرنے جا رہے ہوں تو خاکسار بھی ساتھ جائے گا۔ چنانچہ میں محترم میر محمود ناصر کے ساتھ پنڈی گیا، جب میں انکے کمرے میں داخل ہوا ہوں تو مجھے دیکھتے ہی فوراً پوچھا شمشاد تم کیسے ہو تمہارا کیا حال ہے، مجھے تو یہاں بھی تمہارا فکر لگا ہوا تھا۔ اور تمہارے لئے دعائیں کر رہا تھا۔ الحمدللہ تم خیریت سے ہو۔

کیا اتنی محبت اور اتنی شفقت کوئی اور کسی کے لئے کرسکتا ہے؟ آپ اپنی بیماری بھولے ہوئے تھے۔ اور ایک ادنیٰ سے طالبعلم کے درد کو اتنا محسوس کیا کہ اس کے لئے دعائیں کر رہے ہیں اسکی خیریت کی فکر میں ہیں۔ بس پھر کیا تھا آپ کی بیماری بڑھتی گئی، علاج جاری رہا۔ اور ایک دن آپ پنڈی سے واپس گھر بھی پہنچ گئے مگر صحت جواب دیتی جا رہی تھی۔ کچھ طالبعلموں کی جن میں مکرم محمد زکریا خان صاحب اور خاکسار شامل تھے۔ (یہی اس وقت یاد ہے) کی ڈیوٹی محترم میر داؤد صاحب کے گھر لگی تا کہ کسی چیز کی ضرورت پڑے تو فوری مہیا کی جاسکے۔ ویسے بھی یہ ہماری خوش بختی تھی کہ ہمیں یہ سعادت ملی، کام وغیرہ تو کچھ نہ تھا۔ لیکن آپ کے گھر رہنے کا موقع ملا۔ ایک دن نماز عشاء کے بعد خاکسار ڈیوٹی کے بعد جب گھر گیا ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ یہ ہولناک دل کو ہلا دینے والی خبر ملی کہ آپ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب آ گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ خبر کچھ ایسی تھی کہ دل ماننے کو بالکل تیار نہ تھے۔ بظاہر ہم دیکھ بھی رہے تھے کہ آپ بیمار ہیں، اور کمزور سے کمزور ہوتے جا رہے ہیں مگر سب ہی خدا تعالیٰ سے دعائیں کر رہے تھے کہ مولیٰ کریم شافی خدا آپ کو کامل شفاء دے اس لئے مایوسی کی کوئی بات نہ تھی۔ اور یہ خیال دل میں نہیں تھا کہ آپ اس قدر جلد ہم سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو جائیں گے۔

صبح کو محترم میر داؤد صاحب کے گھر پہنچا، طلباء کی حالت تو غیر تھی مگر خاندان حضرت اقدس کا صبر، بہت ہی صبر جمیل دیکھنے میں آیا۔ اس کے بعد بس

تجہیز و تکفین کا بندوبست ہونے لگا۔طلباء بھی باقی لوگوں کی طرح اب آپ کی میّت کو کمرے میں دیکھنے جاتے ، اور آنکھوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ۔ چنانچہ شام کو عصر کے وقت آپ کا جنازہ تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر بہشتی مقبرہ میں اندر والے حصہ میں آپ کی تدفین ہوئی۔ہمیں بھی اس وقت یہ سعادت ملی کہ ہم حضور کے ساتھ کھڑے تھے۔اور آپکی لحد میں مٹی ڈال رہے تھے۔بس جب حضور نے دعا کرائی ،طلباء کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور طلباء اسقدر روئے کہ میں اپنے الفاظ میں یہ بیان بھی نہیں کر سکتا۔خود میری حالت بھی بہت غیر تھی ، وہاں پر جو بزرگ احباب اور خاندان حضرت اقدس کے لوگ موجود تھے ہمیں دلاسے بھی دے رہے تھے۔مگر دل تھا کہ امنڈتا ہی چلا جا رہا تھا۔الفضل نے اس اندوہناک واقعہ کی خبر دیتے ہوئے لکھا کہ۔

’’یوں تو سبھی قلوب غم واندوہ سے لبریز تھے لیکن بالخصوص جامعہ احمدیہ کے طلباء واساتذہ پر رقت وسوز کی جو کیفیت طاری تھی الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی‘‘(الفضل 27اپریل1973ء)۔

ہم روزانہ بہشتی مقبرہ جاتے اور آپ کے مزار پر دعا کرتے۔

یہ 25 اپریل 1973ء کی بات تھی۔ اور ہماری کلاس آپکی آخری کلاس تھی۔ہم نے 3۔4دن بعد جامعہ احمدیہ سے فارغ ہو کر میدان عمل میں جانا تھا۔ اس دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کو جو مفتی سلسلہ بھی تھے جامعہ کا پرنسپل مقرر کر دیا۔چنانچہ 2۔3دن بعد پرنسپل صاحب کے دفتر میں ہمیں الوداعیہ دیا گیا۔محترم ملک سیف الرحمان صاحب نے فرمایا، کتنا اچھا ہوتا اگر آج خود میر داؤد صاحب آپ کی کلاس کو یہ الوداعیہ دیتے۔بہرحال خدا تعالیٰ کی تقدیر پر سب راضی تھے۔لیکن دلوں میں جو آپ کی محبت تھی اور آپکے اخلاق حمیدہ کے جو نقوش تھے، وہ انمٹ ہیں۔

اس دوران جامعہ احمدیہ کے ہال میں آپ کی وفات پر جامعہ کے اساتذہ اور طلباء نے ریزولیوشن بھی پاس کیا۔اس میں صاحب صدر نے طلباء اور اساتذہ کو دعوت دی کہ وہ سٹیج پر آ کر آپ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔طلباء آتے اور خاموش کھڑے رہ کر اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہوئے چلے جاتے۔اور کسی میں بولنے کی کچھ بھی ہمت نہ تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے ایک پروفیسر حضرت ماسٹر عطاء محمد صاحب آئے ، کیا بتاؤں کہ انہوں نے آپ کی شان میں ایک نظم کہی ، جسکا عنوان غالباً ’’بلبل‘‘ تھا۔ کہ آپ اس جامعہ کے باغ کی بلبل اور رونق تھے۔آپ روتے بھی جاتے تھے اور نظم بھی سناتے جاتے ، اللہ انکی بھی مغفرت فرمائے۔

الفضل میں آپکے اوصاف حمیدہ کے بارے میں بہت سے بزرگوں نے مضامین لکھے جو پڑھنے کے قابل ہیں۔محترم پروفیسر نصیر خان صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار’’ واہ میر صاحب‘‘ کے عنوان سے کیا۔اسکا کچھ حصہ یہاں نقل کرتا ہوں کہ مجھے بہت پسند ہے۔

’’وہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق سمجھنے اور کہنے والے تھے۔ انکی نیکی کا تصور مثبت تھا۔اللہ سے انکی صلح اور شیطان سے انکی جنگ تھی.....وہ اچھے منتظم سے زیادہ ، کہیں زیادہ اچھے انسان تھے۔خوش خلق ، ہمدرد، غمگسار و دوست نواز ، انکا سلیقہ، انکا رکھ رکھاؤ، انکی سوجھ بوجھ، انکا تصور حسن، زندگی سے انکی محبت کے آئینہ دار ہیں...ایسے قانع ، ایسے بہادر ، ایسے نڈر کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ گوشت پوست کے چلتے پھرتے ، کھاتے پیتے انسان تھے، ہنسنے ہنسانے والے، اچھی بات پر خوش ہونے والے اور بری بات سے بیزاری کا اظہار کرنے والے۔مکروہ کو دیکھ کر کراہت کرنے والے اور نجس پر نفرین کرنے والے۔ موجودہ دور کے اخلاقی کوڑھ یعنی منافقت سے انکا دامن پاک تھا۔ اگر وہ خوش تھے تو خوش تھے اگر ناراض تھے تو ناراض۔انہوں نے ریاء کے بدلے صدق اور وفا کی۔محبت کی۔انکی دلداری و غم گساری کی مگر آخر میں اپنی جواناں مرگ سے دوستوں کے دل کا چین چھین لے گئے۔‘‘(الفضل 28 اپریل 1973ء)

بہت خوب لکھا اور حق لکھا۔فجزاہ اللہ احسن الجزا۔

میرا خدا آپ پر بے انتہا رحمتیں نازل فرمائے اور اپنی مغفرت کی چادر میں آپکو لپیٹ لے۔

اگرچہ یہ سب چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں لیکن میرے لیے ان سب میں سبق پنہاں ہیں۔ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ دل پر نقش ہیں کیونکہ آپ کی شخصیت ہی ایسی دلربا تھی ، آپ کی باتیں ہی ایسی اثر کرنے والی تھیں کہ کوشش کرنے سے بھی یہ باتیں بھلائی نہیں جاسکتیں۔آخر میں ، میں وہ خط نقل ضرور کرتا جو آپ درجہ شاہد کے دوران تعلیم مکمل کرنے سے متعلق طلباء کو تحریر کرتے تھے۔لیکن وہ سیرت داؤد میں پہلے سے شائع شدہ ہے (صفحہ 73 تا76)

محترم میر داؤد صاحب یہ خط خود تحریر کرواتے پھر انکی نقلیں بنوا کر ہر طالبعلم کا نام لکھ دیتے تھے۔یہ خط آپ نے 12 ستمبر 1972ء کو لکھوا کر ہمیں دیا۔ اور میرے پاس خدا تعالیٰ کے فضل سے اسکی اصل کاپی آج بھی موجود ہے، کیونکہ آپ نے اپنے خط میں لکھا۔

''منسلکہ ہدایات علیحدگی میں یکسوئی سے کم از کم تین دفعہ مطالعہ کریں اور انہیں اپنے پاس محفوظ رکھیں اور گاہے گاہے استحضار کیا کریں۔''

محترم میر داؤد احمد صاحب مرحوم کو خدا تعالیٰ کو پیارے ہوئے قریباً 40 سال کا لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔مگر آپ کی یاد اور آپ کی شخصیت دل میں آج بھی زندہ ہے۔اور آپ کے ایک نالائق شاگرد کی حیثیت سے آپ کے لئے ہمیشہ دعا کی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ نے جامعہ کے طلباء کو جو پیغام دیا خدا تعالیٰ مجھے بھی اس پر زندگی کے آخری لمحات تک عمل کرنے کی توفیق دے اور وہ پیغام یہ تھا

''اسلام کی فتح اور کامیابی کے لئے تمہارے خون کی ضرورت ہے، مجھے امید ہے کہ تم اس کے لئے ہمیشہ تیار اور آمادہ رہوگے'' سید داؤد احمد

خلافت کے ساتھ محبت اطاعت اور فدائیت کے بارے میں آپ نے خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع 1962ء میں یہ فرمایا!

''ہم سب اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک تنظیم کی کڑی میں پروئے گئے ہیں یہ کوئی دنیوی تنظیم نہیں بلکہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ نے ہمیں ایک خاص مقصد کے لئے کھڑا کیا ہے یہ خوش قسمتی اس وقت کسی دوسری قوم یا کسی اور جماعت کو حاصل نہیں۔اگر ہم اس پر شکر کے سجدے کرتے ہوئے اپنی ناک بھی گھسا دیں تو بھی کم ہوگا اس لئے ہماری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ہمارا فرض ہے کہ حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اور ہر ارشاد کو پورا کرنے کے لئے تیار رہیں۔'' (سیرت داؤد صفحہ 106۔107)

☆......☆......☆......☆

چار بلیاں اور ایک چڑیا

بیان فرمودہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

''میرے مکان میں چار بلیاں رہتی ہیں۔ایک والدہ ہے اور تین اس کی بیٹیاں وہ بھی جوان اور مضبوط ہیں۔کل کی دوپہر کے وقت میں مَیں اکیلا ادھر کے دالان میں بیٹھا تھا۔کہ میرے دروازے کے آگے ایک چڑیا آکر بیٹھ گئی فی الفور بڑی بلی نے حملہ کیا اور اس چڑیا کا سر منہ میں پکڑ لیا۔پھر دوسری بلی آئی اس نے وہ چڑیا پہلی بلی سے لے کر اپنے قبضہ میں کرلی اور اس کا سر منہ میں پکڑ لیا اور زمین پر ایسا رگڑا کہ میں وہ حالت مارے رحم کے دیکھ نہ سکا اور دوسری طرف میں نے منہ کرلیا اور پھر جو میں نے دیکھا تو تیسری بلی نے اس چڑیا کا سر اپنے منہ میں لیا اور اس وقت مجھے خیال آیا کہ غالباً سر کھایا گیا۔اتنے میں چوتھی بلی نے اس چڑیا کو لیا اور زمین میں اسے رگڑا تب میں نے یقین کیا کہ چڑیا مرچکی اور سر کھالیا گیا اور رگڑنے میں کئی دفعہ چڑیا زمین پر گر پڑی۔پھر ایک بلی نے چاہا کہ اس چڑیا کے گوشت میں کچھ حصہ لے اس نے اس چڑیا کو کھانے کے لئے اپنی طرف کھینچا شاید اس غرض سے کہ نصف پہلی بلی کے منہ میں رہے اور نصف آپ کھائے لیکن کسی سبب سے وہ چڑیا دونوں کے منہ سے نکل کر زمین پر جا پڑی اور گرتے ہی پُھر کر کے اُڑ گئی چاروں بلیاں پیچھے دوڑیں مگر پھر کیا ہوسکتا تھا وہ کسی درخت پر جا بیٹھی اور بلیاں خائب وخاسر واپس آئیں۔اس واقعہ کو دیکھ کر میرے دل کو بہت جوش آیا کہ اس طرح خدا تعالیٰ دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑاتا ہے۔''

(مکتوبات احمد جلد دوم صفحہ 4404،405 مطبوعہ 2008ء) (مرسلہ: امۃ الباری ناصر)

میرے محترم خالو جان

محمود احمد قریشی صاحب

سیدہ قرۃ العین تالپور

میرے پیارے خالو جان محترم محمود احمد قریشی ابن محترم محمد اسمٰعیل قریشی معتبر، جن کا وجود اپنے تمام عزیزوں، رشتے داروں، دوست احباب حتّٰی کہ غیروں کے لئے بھی ایک سایہ دار درخت سے کم نہ تھا مورخہ 23 فروری 2012ء کو اس جہانِ فانی کو چھوڑ کر اُس دائمی جنت کے مکین بن گئے جو ہم سب کے ربّ نے اُن ہی جیسے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو استقلال اور توازن سے ادا کرنے والے اپنے پیارے بندوں کے لئے بنائی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خالو جان کے اوصافِ حمیدہ اِس ایک مضمون میں بیان کرنا میرے لئے ایسا ہی ہے جیسے دریا کو کوزے میں بند کرنا۔ آپ ایک عملی انسان تھے اور اپنے عمل کے ذریعے اپنی نیک سوچ اور پُر عزم خیالات کو اپنے اردگرد کے ماحول میں پھیلا دیتے تھے۔ ناممکن تھا کہ آپکے حلقے میں رہنے والے آپکی مضبوط شخصیت سے متاثر نہ ہوں۔ میں آپکی شخصیت کے صرف چند پہلوؤں کے بارے میں ذکر کر کے اِس مضمون میں اپنی سی ایک کوشش کر رہی ہوں۔ مدعا یہ ہے کہ ہماری آنے والی نسلیں جان سکیں کہ انسان تو اِس فانی دنیا سے کوچ کر جاتا ہے پر اپنے پیچھے اچھے اخلاق اور نیک اعمال کا ایک نہ ختم ہونے والا ایسا سلسلہ چھوڑ جاتا ہے جو قیامت تک مرحوم اور اُنکی نسل در نسل کے لیے دعاؤں کا باعث بنتا ہے۔

اپنے خالو جان کے لئے میں نے اپنی والدہ سیدہ حفیظۃ الرحمٰن مرحومہ سے اکثر ایک جملہ سُنا، آپ کہتی تھیں "بھائی محمود جیسا ہمدرد اور دعائیں کرنے والا وجود ہمارے تمام خاندان کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں" بے شک ایسا ہی تھا۔ ہمارے لاہور میں 7 سالہ قیام کے دوران مجھے اپنی والدہ کی اِس بات کا تقریباً روزانہ ہی تجربہ ہوا۔ آپ ہمارے قیامِ لاہور میں ہمارے لئے نعمتِ الٰہی رہے۔

جب جب آپکی ہمدردی، غمخواری، تیمارداری اور مشورے کی ضرورت پڑتی آپ اپنی بے لوث محبت اور بے انتہا شفقت کے ساتھ ہمیشہ ہماری مدد اور دلجوئی کو پہنچتے اور اپنی پیشانی پر بل تک نہ لاتے۔ بلکہ نامساعد حالات سے نبٹنے کے لئے ہمارا حوصلہ و ہمت بڑھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ میں ایک غیر معمولی صفت تھی کہ نیکی کو جلدی میں نہیں کرتے تھے، ضرورتمندوں کی مدد تو بہت سے لوگ کرتے ہیں پر میرے خالو جان نیکی و بھلائی کو سنوار کر استقلال سے کرتے اور اپنے بہترین انجام تک پہنچاتے تھے۔ ضرورتمند کی عزتِ نفس کا بے انتہا خیال کرتے تھے۔ میں نے انہیں اپنے، پرائے، امیر و غریب، چھوٹے بڑے ہر ایک کی بلاتخصیص مدد کرتے دیکھا۔ اپنی محنت کش طبیعت کی وجہ سے آپ اپنی عمر یا صحت کو کبھی خاطر میں نہ لاتے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں نے آپ کو کبھی بھی سستی یا کاہلی کا اظہار کرتے نہ دیکھا بلکہ میری خالہ جان کو اکثر یہ شکوہ رہتا کہ آپ مکمل آرام نہیں کرتے اور ہر وقت مختلف کاموں میں لگے رہتے ہیں۔

جماعت سے آپکا رشتہ اٹوٹ اور خلافت سے آپکی عقیدت بینظیر تھی۔ آپ سمعنا واطعنا کا بہترین نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے آپکو جماعت میں خدمات کے اَن گنت مواقع ملے اور آپ نے خدا کی دی ہوئی توفیق سے یہ مواقع کبھی ضائع نہ کئے۔ آپ جنگِ کشمیر کے دوران فرقان فورس میں بھی شامل رہے۔ جنگ میں شمولیت کا یہ احساس آپکے لئے یقیناً باعثِ افتخار رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو جن مختلف جماعتی عہدوں پر کام کی توفیق دی وہ آپ نے باحسن ادا کئے۔

دیانتداری، جفاکشی، عاجزی وانکساری، پابندیٔ وقت اور نظم وضبط آپکی فطرت کا حصہ تھے ۔اللہ تعالیٰ کے فضل نے آپکو ایک دلگداز عبادت گزار بنادیا تھا، خوبصورت قرأت کرتے تھے،عیدین پرآپکا معمول تھا کہ سویرے سویرے تکبیریں پڑھتے دارالذکر پہنچ جاتے،آپکے گھر کا پاکیزہ ماحول آپکی اور خالہ جان طاہرہ محمود کی مشترکہ کوششوں کا ہی ثمرہ ہے۔

آپ ایک علم دوست انسان تھے مطالعہ کرنا آپکا مشغلہ تھا اور علمی بحث کرنا آپکو پسند تھا۔ میں ذاتی تجربے کی بنا پر یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ دورانِ بحث بہت حوصلے اور خوش مزاجی سے دلائل سنتے اور کبھی بھی میری کم عمری کو اپنے لئے انا کا مسئلہ نہ بناتے اور جہاں بھی میری بات میں وزن پاتے بڑی خوشدلی سے میری رائے تسلیم کرتے ۔آپکے اِس بڑے پن اور علم دوست رویہ نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔آپ خوش لباس تھے اوراس خوش لباسی کا کریڈٹ اکثر میری خالہ جان کو دیتے اوراُنکی تعریف کرنے میں کبھی کنجوسی سے کام نہ لیتے تھے۔آپ خوش ذوق تھے،اچھی کتاب ہو،اچھا پکوان ہو یا آپکو کوئی قیمتی تحفہ دیا جائے دل کھول کے تعریف کرتے تھے۔مگر عاجزی وانکساری کا یہ حال تھا کہ سادہ کھانا اور معمولی تحفہ کو بھی اُسی اپنائیت اور محبت سے سراہتے اور کبھی بھی سامنے والے کی حوصلہ شکنی نہ ہونے دیتے تھے۔

خالو جان بہترین تیماردار تھے،ہومیو پیتھک ادویات کا اعلیٰ علم رکھتے تھے اور آپکی بتائی ہوئی ادویات سے ہمارے خاندان کے اکثر افراد شفایاب ہوتے۔مریض کی بدلتی حالت پر گہری نظر رکھتے،دوا تجویز کرتے اور زیرلب دعاؤں کا ورد بھی جاری رکھتے۔ساتھ بہت ہی خوشگوار موڈ میں پرانی یادیں بھی دہراتے جاتے تھے تا مریض کی توجہ بٹی رہے اور وہ حوصلہ میں رہے۔آپکا یہ انداز تمام خاندان کو ہردلعزیز تھا۔ہمارے قیامِ لاہور کے دوران تقریباً ایک سال تک ہماری پیاری خالہ جان طاہرہ محمود ایک موذی مرض سے بہت ہمت کے ساتھ نبرد آزما رہیں۔ اُنکے اِس حوصلہ مند جذبے کے پیچھے بھی خالو جان کی مسلسل خدمت، انتھک تیمارداری اور پُر اُمیدی تھی ۔اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص کرم فرمایا اور ہم سب کی دعائیں قبول کر کے خالہ جان کو صحت والی زندگی سے نوازا، الحمدللہ۔آپ نے ایک طویل وقت تقریباً 35 سال تک اپنی معصوم بیٹی ارم محمود مرحومہ کی خدمت کی اور اُسکی صحت کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور فریاد میں گزارا مگر کبھی ہم نے آپکے لبوں سے کوئی شکوہ نہ سُنا۔سو کیسے بھی حالات ہوتے تھے پر آپ کبھی نا اُمیدی کی بات زبان پر نہ لاتے تھے۔صبر واستقلال سے ہر مشکل کا مقابلہ کرتے تھے۔ آپکے بچوں حامد محمود قریشی،نبیلہ مشہود اور وقاص محمود کی شخصیت میں بھی آپکا یہ عکس نمایاں ہے۔دینداری اور استقامت انہیں ورثے میں ملی ہے اور اللہ تعالیٰ سے میری یہ دعا ہے کہ خالو جان کا یہ ورثہ نسل درنسل منتقل ہوتا رہے۔آمین

یقیناً آپکا وجود جہاں آپکے اپنے بچوں کے لئے سکون کا باعث تھا وہاں ہم سب کے لیے بھی ایک نعمت سے کم نہ تھا۔آپ ہمارے بزرگ بھی تھے اور دوست بھی۔ افرادِ خاندان آپکے مشوروں سے استفادہ کرنا بہت ضروری سمجھتے تھے۔گھریلو مسائل ہوں یا تعلیمی،کاروباری مشورہ ہو یا جائداد کا معاملہ یا پھر کوئی دینی مسئلہ ہو آپ نے ہمیشہ ہی مشورہ طلب کرنے والے کو بےغرض اور پُرخلوص مشورہ دیا۔ آپکا اپنے خونی رشتوں سے سلوک بےمثال تھا۔اپنے بہن بھائیوں کا ذکر ہمیشہ ہی انتہائی عقیدت اور محبت سے کرتے تھے۔یہ آپکی متوازن شخصیت کا کمال تھا کہ آپکے سسرالی رشتے دار بھی آپکے سگے بہن بھائیوں سے دلی محبت رکھتے اور یہی معاملہ آپکے بہن بھائیوں کا آپکے سسرال سے تھا۔

خالو جان کی طبیعت میں سیکھنے کا جذبہ بھی بےانتہا تھا۔ ہر نئے علم اور نئی ایجاد میں دلچسپی ظاہر کرتے۔مجھے یاد ہے کہ آپ نے بہت ہی شوق سے اپنے پہلے موبائل فون پر مجھ سے کونٹکٹ نمبرز ڈالنے سیکھے اور بہت جلد سب نمبرز خود ہی ڈالنے لگے۔اسی طرح کمپیوٹر سیکھنے اور استعمال کرنے کا بھی شوق تھا۔

آپکی تحریر کی تو کیا تعریف کروں،خوشخط،جامع اور برموقع ہوتی تھی۔میرے والد میر مبارک احمد تالپور اور میری والدہ مرحومہ کے نام آپکے خطوط ہم بھی شوق سے پڑھتے تھے۔یہ خطوط اپنے اندر ایک لطیف مزاح رکھتے،کبھی یوں لگتا کہ کوئی سفر نامہ ہے،اور کبھی ماضی کے کسی واقعہ کا تذکرہ ہوتا اور پھر مختلف معاملات پر مشورے اور نصیحتیں بھی تحریر ہوتی تھیں۔آپ نے زندگی کے آخری سالوں میں اپنی سوانح بھی لکھی جو یقیناً ہم سب کے لئے ایک سرمایہ ہے۔ ہمارے خاندان کی آنے والی نسلیں اِس سوانح کو اپنی زندگی کے لئے مشعلِ راہ بنا کر اپنا دین ودنیا دونوں سنوار سکتی ہیں۔اِس سوانح عمری میں، اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر جس

طرح ہمارے پیارے اور محترم محمود احمد قریشی مرحوم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اُسکے احسانوں کو یاد کیا ہم بھی اِس نیک عادت کو اپنی زندگی کا حصہّ بنا کر اپنے ربّ کے حضور خالو جان کی طرح سُرخرو ہو سکتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ

آپ اسم بامسمیٰ تھے، میں نے آپکی حیات میں بھی ہر کسی سے آپ کے لئے صرف تعریفی کلمات ہی سُنے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ آپ ہمارے پیارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ خیر کم خیر کم لِاَ هـلـهِ۔۔۔ کی بہترین مثال تھے۔ اپنے بچوں کی تربیت میں نرمی و سختی، محبت و تنبیہ کو ملحوظ رکھا تا وہ دین کے خادم اور دنیا والوں کے لئے ہمدرد وجود بن سکیں۔ الحمدللہ۔

یقیناً آج وہ پیارا اور ہمدرد وجود ہم میں موجود نہیں ہے مگر بارگاہِ ایزدی میں ہمارے سارے خاندان کی التجا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محترم محمود احمد قریشی جیسا نافع الناس وجود بنائے، ہمارے اعمال ایسے ہی ہوں کہ ہمارے دنیا سے جانے کے بعد بھی لوگوں کی دعائیں ہمارے لیے صدقہ جاریہ بن جائیں۔ خدا ہمیں بھی ایسا ہی بے لوث محبت اور بے غرض فائدہ پہنچانے والا دل دے جو میرے خالو جان کو بفضلِ تعالیٰ عطا ہوا۔ آمین

اللہ تعالیٰ میرے خالو جان کے درجات بلند کرتا رہے، آپکے تمام پیار کرنے والوں کو خداوند تعالیٰ صبرِ جمیل سے نوازے اور ہم سب کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے، آمین۔

☆......☆......☆

سانحہءارتحال

اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی اور ہماری پیاری نواسی عزیزہ امتہ المصور بھٹی بنت مکرم مودود احمد بھٹی صاحب و عزیزہ عطیہ بشریٰ بھٹی صاحبہ آف فلاڈلفیا۔ امریکہ ایک طویل عرصہ کی علالت کے بعد 3 فروری 2013ء کو اس دارِفانی سے رخصت ہوگئی، اِنَّاللّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

عزیزہ 19 اپریل 1993ء کو فلاڈلفیا میں پیدا ہوئی اور پونے بیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ عزیزہ مکرم رشید احمد بھٹی صاحب و مکرمہ صالحہ قانتہ بھٹی صاحبہ آف فلاڈلفیا کی پوتی تھیں۔ عزیزہ نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید مکمل پڑھ لیا۔ بیماری کا آغاز 8 سال کی عمر میں ہوگیا تھا لیکن مکمل تشخیص 9 سال کی عمر میں ہوئی۔ بیماری کی تشخیص کے چند ماہ کے اندر اندر چلنے پھرنے، کھانے پینے اور بولنے سے معذور ہوگئی۔ بیماری کی شدت کے باوجود ہوش و حواس قائم تھے اور اشاروں سے اپنا مطلب سمجھانے کی پوری کوشش کرتی تھی۔ عزیزہ امتہ المصور نے اپنی لمبی بیماری کا مقابلہ آخری دم تک بہت بہادری اور ہمت سے کیا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دونوں دورہ جات امریکہ 2008 اور 2012 میں عزیزہ کی حضور سے ملاقات ہوئی۔ عزیزہ نے بہت شوق سے ملاقات پر جانے کا اظہار کیا اور حضور انور اور بیگم صاحبہ کی دعائیں لیں۔

عزیزہ امتہ المصور کی وفات اپنی امی کی گود میں گھر پر ہوئی اور آخری وقت میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ عزیزہ نے زندگی کا بیشتر حصہ اپنی بیماری میں گزارا۔ اس سارے عرصے میں والدین نے اپنی پیاری بیٹی کی خدمت میں اپنے آپ کو وقف رکھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ والدین کو خدمت کی بہترین جزا دے اور اپنے فضل سے صبر جمیل کی توفیق دے۔ اسی طرح خاندان کے سب افراد کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے اور عزیزہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے، آمین۔

عزیزہ امتہ المصور بھٹی صاحبہ کی نماز جنازہ مورخہ 6 فروری 2013ء بروز بدھ وِلنگ برو۔ نیوجرسی (امریکہ) کی مسجد النصر کے احاطہ میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ خاکسار نے پڑھائی جس میں فلاڈلفیا، وِلنگ برو، ہیرس برگ اور واشنگٹن وغیرہ سے آئے ہوئے احباب جماعت نے شمولیت کی۔ بعد ازاں برلنگٹن کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

عزیزہ کی وفات کی اطلاع ملنے پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہِ شفقت خط محررہ 7 فروری میں تحریر فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ عزیزہ کو جنت میں اعلیٰ مقام دے۔ والدین کو اور آپ کو بھی صبر اور حوصلہ دے۔ عزیزہ کے لئے یہ خدا کے حضور حاضری آسانی کا باعث بنی ہے۔ میری طرف سے تمام لواحقین سے تعزیت کردیں۔ اللہ حافظ و ناصر ہو، آمین۔‘‘

(عطاء المجیب راشد۔ امام مسجد فضل لندن و قانتہ شاہدہ راشد)